سوانح حیات
حضرت علی بن عثمان ہجویری
المعروف
حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ
محمد دین فوق
AUQAF
محکمہ اوقاف حکومت پنجاب
منصور حیدر راجہ

# سوانح حیات

## حضرت علی بن عثمان ہجویری

## المعروف

# حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ


محمد دین فوق


شائع کردہ

علماء اکیڈیمی

شعبہ مطبوعات محکمہ اوقاف پنجاب، لاہور

۱۴۲۳ھ۔ ۲۰۰۲ء

طابع ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

ڈائریکٹر مذہبی امور ر پرنسپل پنجاب اوقاف علماء اکیڈیمی

محکمہ اوقاف پنجاب

زیر نگرانی میاں سلیم اللہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر تحقیق ومطبوعات

پنجاب اوقاف علماء اکیڈیمی لاہور

طبع چہارم مئی 2002ء

تعداد اشاعت 1000، (ایک ہزار)

قیمت 106/- روپے

کمپوزنگ الشیخ کمپوزنگ

# فہرست

| صفحہ نمبر | نمبر شمار عنوان |
|---|---|

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# مقدمہ

برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے دور کا آغاز صوفیاء کرام ہی کی ذات سے ہوا۔ سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے اس خطہ کو اپنے روحانی فیوض اور علم و فضل سے مستفید کیا وہ حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ کی مساعی جمیلہ سے یہاں اسلام کی شمع روشن ہوئی اور پھر اس برصغیر میں ایک گوشہ سے لے کر دوسرے گوشہ تک تاریخی تسلسل کے ساتھ خانقاہوں اور روحانی مرکزوں کا ایک جال بچھ گیا، جس سے لاکھوں بندگان خدا نے استفادہ کیا اور آج بھی اس خطہ پاک پر آپ کے روحانی اثرات اور فیوض و برکات دیکھے اور محسوس کئے جاتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآرا فارسی تصنیف "کشف المحجوب" اصلاح باطن اور عشق الٰہی کا نسخہ کیمیا ہے، جو نہ صرف اسلامی تصوف بلکہ تصوف کے موضوع پر قدیم ترین اور مستند ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اور اہل طریقت کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت ہے۔ اس کتاب کے تراجم کئی زبانوں میں شائع ہو چکے ہیں۔

حضرت داتا صاحبؒ ان لوگوں سے جو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، تمام گناہوں سے توبہ لیتے تھے، خدا کی اطاعت اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری کا عہد لیتے تھے، بے حیائی اور بداخلاقی، ظلم و زیادتی، حقوق العباد کی پامالی سے بچنے کی تاکید فرماتے، اچھے اخلاق اختیار کرنے اور اخلاق رذیلہ کے ازالہ اور اصلاح کی طرف توجہ دیتے تھے۔ خدا کی یاد اور اس کی مخلوق کے ساتھ خیرخواہی اور

خدمت اور لوگوں کو نفع پہنچانے اور ایثار و قناعت کی تعلیم دیتے تھے۔ اس کے علاوہ تمام آنے جانے والوں کو دعا و نصیحت کرتے تھے۔ آپ کے اخلاص و اخلاق، تعلیم و تربیت اور صحبت و فیض نے اس برصغیر کے معاشرہ پر قرن ہا قرن سے جو اثرات مرتب کئے وہ کسی صاحب علم اور صاحب دل سے مخفی نہیں ہیں اور آج بھی اصلاح باطن کی یہ شمع روشن اور عشق الہی کی جنس گراں مایہ حاصل کرنے کا یہ مرکز قائم ہے، جو طالبین و شائقین کا واحد مرجع ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آپ وہ سایہ دار درخت ہیں جس کی چھاؤں میں تھکے ہارے مسافر اور بھولے بھٹکے قافلے آرام پاتے اور نئی زندگی اور تازگی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ پر لکھی جانے والی کتابوں میں جناب محمد دین فوق مرحوم کی یہ کتاب مختصر لیکن جامع کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ مصنف نے حضرت داتا صاحب کے سوانح حیات کی تحقیق میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا ہے۔ اور آپ کی تعلیمات کو آسان، عام فہم اور سلیس زبان میں نہایت عقیدت اور اخلاص سے پیش کیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1914ء میں طبع ہوا تھا۔ محکمہ اوقاف پنجاب اب چوتھی بار اسے نہایت خوبصورت انداز میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ امید ہے قارئین اسے پہلے سے زیادہ پسند فرمائیں گے۔

ڈاکٹر طاہر رضا بخاری

ڈائریکٹر مذہبی امور اوقاف پنجاب لاہور

# دیباچہ (طبع اول)

جن کی کتابوں کو میں نے ہندوستان کے سب سے پہلے مشہور محمڈن مشنری (واعظ اسلام) سردار اولیائے کبار حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ لاہوری علیہ الرحمۃ کے حالات ترتیب دینے کے لئے مطالعہ کیا ہے۔ تحریر وتصنیف کے علاوہ اگر ان کے مطالعہ کا وقت بھی شامل کرلیا جائے تو میں نے کامل دو ماہ حضرت زبدۃ الاخیار داتا صاحبؒ کے سوانح حیات اور حضرت کے کلمات وخیالات کو ترتیب دینے میں صرف کئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بہت تھوڑے عرصہ میں یہ چند جزو تیار ہو گئے ہیں۔

بحمداللہ عجب ارزاں خریدم

کچھ شک نہیں کہ اگر مولوی غلام جیلانی صاحب خوشنویس لاہور (سکنہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ) اور سید رحمت علی شاہ صاحب شفیق مجھے بعض کتب مطبوعہ وغیر مطبوعہ کی فراہمی میں مدد نہ دیتے تو دو ماہ کی بجائے غالباً بہت زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا۔ اس لئے میں ان ہر دو اصحاب کا خصوصیت سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے حضرت کے حالات ترتیب دینے کے لئے ایسی کتابیں مہیا کر دیں جن کا بظاہر آسانی کے ساتھ دستیاب ہونا مشکل تھا۔

تم نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب

حضرت علی ہجویریؒ کے حالات مختلف کتابوں میں تو کہیں کہیں نظر آجاتے ہیں لیکن ان کی ایک مستقل اور جامع سوانح عمری ایسی نہ تھی جو ان کے ارادت مندوں کی پیاس بجھا سکتی اور اس باکمال بزرگ کے قابل تقلید حالات وخیالات کو ظاہر کرسکتی۔

حضرت علی ہجویریؒ سے پیشتر پنجاب میں صرف ان کے پیر بھائی شاہ حسین زنجانیؒ اور ان کے چند ہمراہیوں کی تشریف آوری کا پتہ ملتا ہے۔ لیکن ان کی ایسی شہرت نہیں ہوئی جیسی حضرت داتا صاحبؒ کی۔ جن کا نام ہندوستان کے علاوہ عراق، و عجم اور خراسان و ایران تک مشہور ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قابل قدر تصنیفات میں اپنے علم و فضل اور اپنی عملی زندگی سے اپنے زہد و اتقاء کا ایک عالم پر سکہ بٹھا دیا تھا، پھر یہ کہ ان کی تشریف آوری سے پنجاب میں اسلام کو نمایاں رونق ہوئی اور ان کے اخلاق حسنہ اور طرز عمل نے ہزاروں اور لاکھوں زنار تسبیح کی شکل میں بدل دیئے۔ پھر حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ قطب المشائخ اور زہد الانبیاء یہاں آ کر چلہ کش رہے۔ اس سے حضور داتا صاحبؒ کا عالی مرتبت ہونا صاف ظاہر ہے۔ ایسے ولی کامل، فاضل اجل، عالم باعمل بزرگ کے حالات میں آج تک کہ حضرت کی وفات کو آٹھ سو چھیاسٹھ سال کا زمانہ گزر چکا ہے ایک بھی کتاب نہ لکھی گئی۔ کس قدر افسوس اور حیرت کا مقام اور ہماری بدمذاقی اور ناقدردانی کا اور "نام نیک رفتگاں" کے ضائع کرنے کا کس قدر بدیہی ثبوت ہے۔ بحالیکہ جو بزرگ یہاں چلہ کشی کر گئے ہیں، ان کے حالات و سوانح حیات پر درجنوں کتابیں موجود ہیں۔ مگر وہ اصل سرچشمہ جہاں سے یہ فیض جاری ہوا اور پھر فیض یاب ہونے والوں کے ذریعے تمام ہندوستان تک پہنچا۔ دنیا کی نظروں سے بالکل پوشیدہ ہے۔ اور اپنے کمالات یا تو اپنی تصنیفات میں لپیٹے ہوئے ہے یا ان کا تھوڑا ذکر لاہور کی چند تاریخوں یا نفحات الانس کے ایک صفحہ میں نظر آ جاتا ہے۔ حالانکہ

چاند چھپنے کے لئے ہے کہ نکلنے کے لئے

ان حالات کو مدنظر رکھ کر مجھے خود بھی عرصہ سے خیال تھا۔ چند دوستوں نے بھی تحریک کی۔ آخر سعادت دارین اور حاصل عمر سمجھ کر حضرت داتا صاحبؒ کے

حالات لکھنے شروع کئے اور الحمداللہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں اس بہت بڑے مرحلہ سے فارغ ہو گیا

للہ الحمد ٹھکانے لگی محنت میری

یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ ایک تو حضرت کے کمالات باطنی و ظاہری سے اردو دان دنیا پورے طور پر واقف ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ حضرت کے حالات اور خیالات سے فائدہ اٹھایا جائے اور شریعت وطریقت میں جو مسائل آپ نے بیان فرمائے ہیں ان پر عمل پیرا ہو کر اپنے آپ کو ایک سچا مسلمان بنایا جائے۔

یہ کتاب سکھاتی ہے کہ پیر میں کیا اوصاف ہونے چاہیں اور مرید کو کس طرح ارادتمندی کرنی چاہیے۔ بقول مشہور

یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں سے پوچھئے

محمد دین فوق
23 ذیقعد 1332ھ مطابق
14 اکتوبر 1914ء موافق
29 اسوج 1971ء بکرمی

# دیباچہ (طبع دوم)

سوانح عمری حضرت داتا گنج بخشؒ کا پہلا ایڈیشن مدت سے ختم تھا۔ طبع ثانی کے لئے قدردان احباب کا اشتیاق اصرار و تقاضا کی تحریک و فرمائش کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ ملک غلام محمد صاحب تاجر کتب کشمیری بازار جو ایک اہل دل اور خادم الصوفیاء مسلمان ہیں، دوسرے ایڈیشن کے بہت جلد عالم وجود میں لانے کا باعث ہوئے۔ احباب کا احسانمند ہوں کہ وہ میری ناچیز تصنیفات کو شرف قبولیت عطا فرما رہے ہیں۔

محمد دین فوق

یکم محرم الحرام 1339ھ

مطابق 10 ستمبر 1920ء

# سوانح حیات

## حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمتہ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

### حضرت کی پیدائش:

حضرت علی مخدوم علی ہجویریؒ کے مختصر سوانح حیات کے لکھنے کے لئے مندرجہ ذیل کتب سے مدد لی گئی ہے:

(1) تاریخ لاہور (بزبان انگریزی، الہ خان بہادر سید محمد لطیف مرحوم)۔

(2) حدیقۃ الاولیاء: مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم۔

(3) تحقیقات چشتی: مصنفہ مولوی نور احمد چشتی مرحوم۔

(4) سفینۃ الاولیاء: مصنفہ شہزادہ داراشکوہ مرحوم۔

(5) اذکار قلندری (قلمی کتاب) جس کے آخری حصہ میں لاہور کے بزرگوں کا بھی حال درج ہے۔

(6) کشف المحجوب: مصنفہ حضرت علی ہجویری داتا گنج بخشؒ۔

(7) گنج تاریخ: مصنفہ مفتی غلام سرور لاہوری مرحوم۔

(8) نفحات الانس، از مولانا جامیؒ۔

(9) کشف الاسرار: مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ۔

(10) فرہنگ آصفیہ: از مولانا سید احمد دہلوی۔

(11) ایک نامکمل قلمی کتاب پنجابی نظم کی۔ جس کے مصنف کا نام چراغ دین ہے۔

لیکن نہایت افسوس ہے کہ کسی ایک کتاب سے بھی یہ معلوم نہیں ہو۔کا کہ حضرت کس زمانے میں پیدا ہوئے؟ اس وقت کون اس ملک کا بادشاہ تھا۔ وہاں کی پولیٹیکل اور مذہبی حالت کیا تھی؟

تاریخ لاہور اور دیگر کتابوں سے صرف سنہ وفات 465ھ معلوم ہوتا ہے۔ یا اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لاہور میں آپ 431ھ میں تشریف لائے تھے۔ لاہور آنے سے پہلے آپ نے اکثر ممالک ماوراء النہر، خراسان، آذربائیجان وغیرہ کی سیاحت بھی کی تھی۔ اور علوم ظاہری و باطنی میں بھی بتوجہ پیر کامل درجہ کمال حاصل کر لیا تھا۔ ان سب باتوں کے لئے اگر تیس سال کا وقفہ شمار کر لیا جائے تو چنداں مبالغہ تصور نہ ہوگا۔ کیونکہ جب پیر اپنے کسی مرید کو اپنی نگرانی و نگہبانی سے آزاد کر دیتا ہے اور خلق اللہ کو فیض پہنچانے کی ہدایت کرتا ہے اور اس کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں جانے کی صلاح دیتا ہے تو اس کے لئے عمر، تجربہ اور علم و فضل کی پختگی لازمی ہوتی ہے اور ان باتوں کے لحاظ سے تیس سال کی عمر چنداں زیادہ خیال نہیں کی جاتی۔

لاہور میں ان کا قیام 34 سال تک رہا ہے۔ اس کے ساتھ اگر تیس سال ان کی غزنوی زندگی کے بھی شامل کر لیے جائیں (جو ممکن ہے زیادہ ہوں) تو ان کی کل عمر چونسٹھ سال سمجھنی چاہیے۔ اس حساب سے ان کی پیدائش کا فخر 400ھ یا 401ھ کو حاصل ہوتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ امیر سبکتگین کی وفات (387ھ/999ء) کو تیرہ سال گزر چکے تھے اور لاہور اس کے حملوں سے پامال ہو چکا تھا اور ہندوستان کا راستہ سلطان محمود غزنوی کی یلغار کے لئے بالکل کشادہ ہو گیا تھا۔

400ھ، 401ھ کی پیدائش کے مطابق آپ سلطان محمود غزنوی کے عہد حکومت میں پیدا ہوئے۔ اس وقت ملک کی یہ حالت تھی کہ سلطان محمود غزنوی

ہندوستان پر چھ حملے کر چکا تھا اور ساتویں مہم (400ھ) میں مصروف (1) تھا۔ جس میں اس نے وسط ہند میں پہنچ کر راجوں کو مطیع کیا اور اپنے مقاصد کو بآہستگی پورا کیا۔ اس زمانے میں لاہور میں سلطان محمود کی حکومت تھی۔ 401ھ میں سلطان نے سوری پٹھانوں کے دارالحکومت غور پر (جو ہرات کے مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے) چڑھائی کی اور اس کو فتح کیا۔

جس زمانے میں حضرت پیدا ہوئے اس وقت غزنی میں علماء، فقہاء اور شعراء کا بڑا چرچا تھا۔ سلطان خود فقراء اور گوشہ نشینوں کا بڑا معتقد تھا۔ شیخ ابوالحسن خرقانی (خراسانی) کی خدمت میں خود حاضر ہو کر ملاقات کرنے اور عاقبت محمود باد کی دعا لینے اور خرقہ درویشی حاصل کرنے کا واقعہ مشہور ہے۔

نام، وطن اور مذہب:

حضرت کا اصل نام علی تھا۔ باپ کا نام عثمان اور دادا کا نام علی۔ جیسا کہ کشف المحجوب میں جو فی الحقیقت دلوں کی تاریکیوں اور آلائشوں کے حجاب کو دور کرنے والی کتاب ہے۔ آپ لکھتے ہیں "علی غزنوی جس کے باپ کا نام عثمان اور دادا کا نام علی تھا، بیان کرتا ہے الخ" اسی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اصل وطن غزنی تھا۔ وہ غزنی جس کو اپنے مٹے ہوئے نشانات پر بھی فخر ہے اور جس نے برسوں تک سلطان محمود جیسے باجبروت شہنشاہ کو اپنی گودیوں میں پالا ہے۔

باوجود اصل وطن غزنی ہونے کے آپ بالعموم "ہجویری" اور "جلابی" کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوا ہے کہ ہجویر اور جلاب اس زمانے میں دو محلے شہر غزنی کے تھے اور چونکہ حضرت غزنی کے ان دونوں محلوں میں مختلف اوقات میں رہے ہیں۔ اس لئے وہ محلے بھی آپ کے نام کے ساتھ ہی مشہور ہو گئے۔ بعض کا خیال ہے کہ شہرت ہمیشہ شہر یا ملک کے نام پر ہوتی ہے۔ محلہ کے نام پر نہیں

ہوتی ہے جیسے لاہوری، دہلوی، لکھنوی، شاہ جہانپوری، سیالکوٹی اور ملکوں میں سے پنجابی، سندھی، دکنی، کشمیری، بنگالی۔ محلّہ کے نام سے کوئی مشہور نہیں ہوتا۔ اس لئے ممکن ہے کہ ہجویر اور جلاب بھی کسی شہر یا موضع کا ہی نام ہو۔ مگر بعض اصحاب کا یہ اعتراض کہ محلّہ کے نام پر شہرت نہیں ہوتی، غلط ہے۔

کشمیر میں سری نگر ایک بہت بڑا شہر ہے جس کی آبادی پونے دو لاکھ کے قریب تھی۔ اس شہر میں عام لوگ محلوں کے نام پر مشہور ہیں۔ مثلاً عالی کدل، فتح کدل، صفا کدل، قلمدان پورہ، رعناواری، خانیار، محلات اور شہر کے پلوں کے نام ہیں۔ مگر ان پلوں اور محلوں کے رہنے والے اسی شہر میں عالی کدلی، قلمدان پوری اور خانیاری کے ناموں سے مشہور ہیں۔

جس زمانے میں (400ھ یا 401ھ کم وبیش) حضرت کا وجود مبارک اس دنیا میں ظاہر ہوا ہے۔ ان دنوں میں غزنی اہل کمال کا مجموعہ تھا اور بہت بڑے شہروں میں شمار ہوتا تھا۔ کوئی تعجب نہیں، اگر ہجوی یا جلاب غزنی کے کسی محلّہ کا ہی نام ہو۔

ہجویر اور جلاب کے متعلق شہزادہ داراشکوہ نے بھی سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ شہر غزنی میں جلاب اور ہجویر دو محلے تھے۔ (2) حضرت کی والدہ ماجدہ ہجویر کی رہنے والی تھیں اور آپ کی پیدائش بھی اسی محلّہ کی ہے۔ آپ کے والد ماجد محلّہ جلاب کے رہنے والے تھے۔ لیکن بعد میں آپ نے (غالباً والد ماجد کی وفات کے بعد) ہجویر ہی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اسی وجہ سے آپ ہجویری اور جلابی مشہور ہیں۔ بعض کتابوں میں جلابی کی جگہ جلالی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جلالی غلط ہے دراصل صحیح لفظ جلابی ہے۔

حضرت علی مخدوم ہجویری کے حالات کی تلاش وجستجو میں پنجابی نظم کی ایک قلمی کتاب (3) بھی جس کے صرف آٹھ صفحے نامکمل سے دستیاب ہوئے ہیں، ملی

ہے۔اس میں حضرت کی پیدائش سے لے کر لاہور آنے تک کا حال درج ہے۔ خدا جانے اگلے صفحوں میں جن کی صحیح تعداد بھی معلوم نہیں، لاہور میں جو آپ سے فیوض و برکات ظاہر ہوئے ان کی کیا کچھ کیفیت لکھی ہوگی۔اسی کتاب میں ہجویر اور جلاب کے متعلق بھی اشعار ذیل درج ہیں۔

اصل حضرت گنج بخش دا غزنی شہر پچھان
ہجویر، جلاب دوالیس وچہ ہین محلے جان
سی جلابی دادکا انہاں محلہ خوب
جان محلہ نانکا ہجویری ہے مرغوب

یعنی حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا اصلی وطن شہر غزنی ہے۔ہجویر اور جلاب اس میں دو محلے ہیں۔جلابی محلہ میں ان کے باپ دادا رہتے تھے اور ہجویری محلہ میں ان کی والدہ ماجدہ کا گھر ہے۔

حضرت علی مخدوم ہجویری عرف داتا گنج بخشؒ کشف الاسرار میں اپنے وطن کی نسبت لکھتے ہیں:۔

"میں نے اپنے والد سے سنا ہے کہ میری پیدائش کا مقام ہجویر ہے۔خدا تعالے اسے آفتوں، حادثوں اور ظالم بادشاہوں سے بچائے رکھے"۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ کنیت آپ کی ابوالحسن تھی اور نام علی بن عثمان بن علی الجلابی غزنوی۔اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جلاب شہر غزنی ہی کے ایک حصہ یا محلّہ کا نام ہے۔مذہب کے معاملے میں آپ، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پابند تھے۔

## حضرت کا شجرہ نسب:

آپ سید حسنی ہیں، یعنی امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں چنانچہ شجرہ طیبہ حسب ذیل ہے:

علی بن عثمان بن سید علی بن سید عبدالرحمٰن بن سید عبداللہ (ایک کتاب میں سید عبداللہ کی جگہ شاہ شجاع کا نام لکھا ہے جو غلط ہے) بن سید ابوالحسن علی بن سید حسنؓ (حدیقۃ الاولیاء میں سید حسن کی جگہ حسین اصغر لکھا ہے) بن حضرت زید شہید بن حضرت امام حسن شبیر بن علی المرتضیٰؓ شیر خدا کرم اللہ وجہہ۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی المرتضےٰ چچازاد بھائی تھے اس لئے نو واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہے۔

## حضرت کے پیر طریقت:

حضرت جنیدیہ فرقہ میں شامل تھے۔ جس کی ابتداء سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی سے ہے۔ آپ کے پیر طریقت کا نام ابوالفضل محمد بن حسن الختلیؒ قدس سرہ ہے۔ چنانچہ آپ خود لکھتے ہیں کہ "میں طریقت میں ان کا تابع ہوں۔ علوم تفسیر و روایات کے عالم تھے۔ حصری کے مرید اور راز دان تھے۔ ابوعمرو محمد قزوینی کے ہم عصر تھے۔ ساٹھ سال تک لوگوں سے بھاگتے رہے۔ ان سے کرامات اور نشانات بہت ظاہر ہیں مگر صوفیوں کے لباس اور ان کے رسوم کے پابند نہ تھے"(4) اور آگے چل کر ظاہر ہوگا کہ حضرت علی ہجویریؒ بھی اپنے پیر طریقت کے پورے ارادتمند اور مرید ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب حسب ذیل واسطوں سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تک پہنچتا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ مرید خواجہ ابوالفضلؒ بن حسن ختلیؒ اور وہ خادم شیخ علیؒ

حضر مکی اور وہ خادم حضرت شیخ ابو بکر شبلیؒ اور وہ خادم حضرت سید الطائفہ جنید بغدادیؒ اور وہ خادم حضرت سری سقطیؒ اور وہ خادم حضرت معروف کرخیؒ اور وہ خادم حضرت داؤد طائیؒ اور وہ خادم حضرت حبیب عجمیؒ اور وہ خادم حضرت خواجہ حسن بصریؒ اور وہ خادم حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ وجہہ کے ہیں۔

جنیدی فرقہ کے متعلق حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بہت معروف اور زیادہ مشہور ہے اور ہمارے سب شیخ جنیدی مذہب کے ہوئے ہیں"۔(5)

کرامت کے متعلق آپ اپنے پیر طریقت خواجہ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ کی زبانی ارشاد فرماتے ہیں کہ "اس کا اظہار نہ ہو تو اچھا ہے۔ لیکن اگر کوئی ولی ولایت کو ظاہر کرے تو اس سے اس کو کچھ زیاں نہیں پہنچتا"۔

ایک جگہ فرماتے ہیں: "میرا شیخ بیت الجن سے دمشق کو جا رہا تھا، میں بھی ہمراہ تھا۔ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو گیا تھا۔ جس سے ہم مشکل سے چلتے تھے، مگر باوجود اس کے جب میری نظر شیخ کی جوتی اور پاجامہ پر جاتی تھی، تو وہ بالکل خشک نظر آتے تھے۔ میں نے ان سے دریافت کیا، فرمایا: جب سے میں نے ہمت کو توکل کے راستہ سے اٹھا لیا ہے اور باطن کو وحشت سے نگاہ میں رکھا ہے، تب سے خدا نے میرے قدموں کو بھی ان آلائشوں سے پاک کر دیا ہے۔

خواجہ ابوالفضل ختلیؒ اپنے مریدوں کو کم گوئی اور کم خوابی کی بہت تاکید کیا کرتے تھے۔ حضرت علی ہجویری کشف المحجوب کے باب چھبیس میں لکھتے ہیں:

"غلبہ کے سوا نہ سوؤ اور جب جاگو تو پھر دوبارہ سونے کی کوشش نہ کرو۔ کیونکہ یہ مرید کے واسطے حرام ہے اور بیکاری کی نشانی ہے۔"

سماع کی بابت صوفیاء میں اختلاف ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کے پیر و مرشد

خواجہ ابوالفضلؒ اس بارے میں فرمایا کرتے تھے:

سماع ان لوگوں کا توشہ ہے جو منزل سے پیچھے رہ گئے ہوں، جو پہنچ گئے ہوں، ان کو سماع کی کیا حاجت ہے؟ کیونکہ وصل کے محل میں سننے کا حکم معزول ہوتا ہے۔"(6)

حضرت علی ہجویریؒ اپنے پیر کی نسبت فرماتے ہیں۔ وہ رسمی صوفیوں (دکانداروں) سے سختی سے پیش آتے تھے۔ میں نے ان سے بڑھ کر کوئی شخص ہیبت ناک نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں۔ ایک دن میں ان کے ہاتھ دھلا رہا تھا۔ واقعتاً یہ خیال آیا کہ جب سب کام تقدیر اور قسمت پر منحصر ہیں تو کیوں ہم لوگ اپنے آپ کو غلام بنا کر پیروں کی خدمت میں مصروف ہیں؟

آپ نے فرمایا: اے بیٹا! جو کچھ تمہارے دل میں گزرا ہے سب معلوم ہے، مگر ہر حکم کے لئے ایک سبب ہوا کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کسی کو تاج و تخت سپرد کر دے تو اس میں پہلے اس کے سنبھالنے کی توفیق بھی پیدا کر دیتا ہے اور وہی خدمت اس کی بزرگی کا سبب بن جاتی ہے۔"(7)

خواجہ ابوالفضلؒ نے 56 سال تک ایک ہی جامہ رکھا اور بے تکلف اسی کو پیوند لگایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ جامہ در جامہ ہو کر اصل کپڑے کا نشان بھی نہ رہا تھا۔

آپ کی وفات بیت الجن کے مقام پر ہوئی جو دمشق کے نزدیک ایک گاؤں ہے۔

### حضرت علی ہجویریؒ کے علم دین کے استاد:

حضرت علی ہجویریؒ نے علم دین اور علم معرفت و سلوک میں جسے کامل پایا اسی سے فیض حاصل کیا ہے۔ وہ علم کی تلاش میں اس حدیث کے پورے پابند رہے کہ

"علم کو حاصل کرو خواہ وہ چین ہی سے ملے"۔ انہوں نے حصول علم کی خاطر اپنے آرام، اپنے وطن اور آسائشوں کو قربان کر دیا تھا۔ کبھی فرغانہ میں جا نکلے،، کبھی خراسان میں کبھی ماورالنہر اور کبھی کسی جگہ۔ انہوں نے خواجہ ابوالفضل بن ختلیؒ، شیخ ابوالقاسمؒ (گرگانی، قشیری) باب عمر فرغانہ اور بقول بعض شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ مگر تصوف و معرفت میں انہوں نے اپنا پیر خواجہ ابوالفضلؒ اور علم دین میں شیخ ابوالقاسمؒ ہی کو لکھا ہے۔ ابوالقاسمؒ کے نام کے کئی شیخ گزرے ہیں مگر جن سے حضرت ہجویری کی ملاقات ہوئی ہے وہ صرف دو بزرگ ہیں۔ ایک شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ۔ شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ سے آپ کا راہ اور رابطہ بہت تھا۔ جب ان کے پاس ایک دن گئے تو وہ ستون سے باتیں کر رہے تھے۔ غرض ان کے پاس اکثر آمد و رفت رہا کرتی تھی۔ قیاس غالب یہی ہے کہ جس شیخ ابوالقاسم کو آپ نے "کشف الاسرار" میں علم دین کا استاد لکھا ہے۔ وہ شیخ ابوالقاسم گرگانی ہی تھے۔ ان سے ایک مقولہ بھی نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "میرے علم دین کے استاد فرمایا کرتے تھے، فقر میں رضا جوئی مرشد سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہے۔ پس فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے۔ یعنی ہر وقت مرشد کو اپنے پاس ہی سمجھے"۔ آگے مرشد کی تعریف کی ہے کہ کس قسم کا ہونا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ جو خود ہی ڈوبا ہوا ہو اور اپنے مرید کو بھی ساتھ لے ڈوبے۔

### حضرت کی پہلی تصنیف بارہ سال کی عمر میں:

حضرت "کشف الاسرار" میں اپنے وطن میں بہت سے عجائبات دیکھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ تفصیل تو نہیں لکھتے، مگر اتنا لکھتے ہیں کہ اگر تحریر کئے جائیں تو دنیا آنسو بہانے لگ جائے۔ ان الفاظ کے بعد عجائبات کا ایک شمہ الفاظ ذیل میں ظاہر کرتے ہیں:

وہاں (یعنی غزنی میں) ایک پیر مرد تھے، نام شیخ بزرگ اور تھے بھی بزرگ۔

ایک دن مجھ سے فرمایا۔ اے علی! کوئی ایسی کتاب لکھ کہ تیری یادگار رہ جائے۔ اس وقت حضرت کی عمر بارہ سال کی تھی، اس عمر کے لڑکے سے ایک پیر مرد کی یہ فرمائش کہ کوئی کتاب تصنیف کرو اور وہ کتاب بھی سرمایہ عمر اور قابل یادگار ہو، بظاہر کس قدر تعجب کی بات ہے۔ لیکن وہ پیر مرد ہی نہ تھے، بلکہ پیر روشن ضمیر بھی تھے۔ وہ حال میں مستقبل کی علامات اور بالائے سرش ستارہ بلندی کی جھلک دیکھ رہے تھے۔

آپ لکھتے ہیں۔ "میں نے اس پیر مرد سے عرض کیا کہ اے شیخ بزرگ! میری عمر ابھی صرف بارہ سال کی ہے، علم سے بھی ناواقف ہوں، آپ کے حکم کی تعمیل کس طرح کر سکتا ہوں؟ مگر جب اس پیر مرد نے بہت اصرار کیا تو آپ ایک کتاب لے آئے جو اسی شہر میں آپ کی اس فرمائش سے (تھوڑا عرصہ) پہلے ہی آپ نے لکھی تھی۔ کتاب پڑھ کر اس پیر مرد نے فرمایا، تو دین میں بڑا شخص ہو گا۔ آپ نے کہا آپ کی مہربانی چاہیے۔

ایک قلمی تحریر میں نظر سے گزرا ہے کہ اس کتاب کا نام "بقاء وفناء" ہے مگر اور کسی تصنیف بلکہ خود حضرت نے بھی اس کتاب کا نام نہیں بتایا۔ اس لئے یہ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

## حضرت علی ہجویریؒ کی پہلی اور دوسری شادی:

حضرت نے اپنی پہلی شادی کا کہیں ذکر نہیں کیا کہ کب ہوئی؟ کہاں ہوئی؟ جہاں انہوں نے دوسری شادی کا ذکر کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ "گیارہ سال سے خداتعالے نے نکاح کی آفت سے بچایا ہوا تھا، مقدر نے آخر اس میں پھنسا دیا اور میں عیال کی صحبت میں دل و جان سے بن دیکھے ہی گرفتار ہو گیا" (8)

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ آپ بچپن ہی میں مناکحت کی زنجیروں میں جکڑ

دیئے گئے تھے اور پہلی بیوی کے انتقال کے بعد گیارہ سال تک دوسرا نکاح نہیں کیا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کی پہلی شادی بھی والدین کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی اور دوسری شادی بھی ان کی موجودگی بلکہ یقیناً ان ہی کے اصرار سے ہوئی ہوگی۔ کیونکہ حضرت نے کشف المحجوب اور کشف الاسرار میں عورتوں سے خدا کی پناہ طلب کی ہے۔ اوران کی ذات کو فتنہ وفساد کا مخزن قرار دیا ہے۔

بلکہ آپ نے بھی اپنی دونوں متذکرہ بالا کتابوں میں حالتِ تجرید ہی کو پسند کیا ہے۔ نکاح ثانی کے بعد آپ کے یہ الفاظ کہ "خدا تعالےٰ نے اس آفت سے بچایا ہوا تھا، اب مقدر نے پھر اس میں پھنسا دیا"۔ آپ کی دلی ناپسندیدگی کا روشن عکس ہیں۔ مگر آپ والدین کے ادب واحترام کی وجہ سے اعلانیہ انکار نہیں کر سکتے تھے۔

## حضرت علی ہجویری پھر حالت تجرید میں:

چنانچہ لکھتے ہیں:

"ایک سال تک اس آفت میں غرق رہا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو جائے کہ خدا تعالےٰ نے اپنی کمال مہربانی، بخشش اور رحمت سے مجھے خلاصی عطا کی"۔

یہ الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ ایک سال کے بعد آپ کی دوسری عورت کا بھی انتقال ہو گیا اور پھر آپ نے تادم وصال نکاح کا نام نہیں لیا۔ آپ ہر چند تجرد و تنہائی کو زیادہ پسند کرتے اور عورت سے دور رہنے کے خواہش مند تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے۔ مگر نکاح کے متعلق آپ نے کشف المحجوب میں جو تین قسم کے خیال ظاہر کیے ہیں، وہ بھی آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

1۔ مرد عورت سب پر نکاح کرنا عموماً مباح ہے۔

2۔ جو حرام سے پرہیز نہ کر سکیں ان پر فرض ہے۔

3۔اور جو عیال کا حق ادا کر سکے اس پر سنت ہے۔

آپ کے نکاح ثالث کے نہ ہونے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والدین کا آپ کے نکاح ثانی کے بعد ہی انتقال ہو گیا ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور آپ کے نکاح کی کوشش کرتے اور حضرت علی ہجویریؒ اپنے والدین کے چونکہ ازحد فرمانبردار تھے اور ان کو دونوں جہانوں کا قبلہ کہتے تھے، اس لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ ان کے حکم سے روگردانی کرتے۔

## حضرت علی ہجویریؒ کی سیر و سیاحت:

بزرگان سلف، صوفیائے کرام اور علمایان دین کی سیر و سیاحت کا مطلب دنیا جہان کی بے سُود گرداوری نہیں تھا۔ وہ کوئی خاص مقصد لے کر باہر نکلتے تھے اور جب تک اس میں کمال حاصل نہ کر لیتے تھے، واپس نہ آتے تھے۔ کوئی اشاعتِ دین کی غرض سے باہر نکلا ہے، کوئی حصول علم کی خاطر۔ تاکہ اس میں کمال حاصل کر کے خلق اللہ کو صراط مستقیم دکھا سکے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے غزنی کے بزرگوں سے بھی بہت کچھ حاصل کیا تھا لیکن غزنی میں رہ کر

تابہ دکان خانہ در گردی

کے مصداق نہیں بننا چاہتے تھے۔ وہ ریاضت و جفاء کشی، حصول تجربہ اور حصول علم کی خاطر اپنے پیر و مرشد کے ساتھ بھی کئی ممالک میں پھرتے رہے اور تنہا بھی کئی مقامات پر گئے اور ریاضت شاقہ کے علمی سبق حاصل کرتے رہے۔ اس کے علاوہ آپ نے ہندوستان میں تشریف لانے سے پہلے خراسان، ماوراء النہر، مرو اور آذربائیجان تک کی سیاحت کی ہے۔ چنانچہ تھوڑے تھوڑے حالات آپ کی سیر و سیاحت کے جو کتاب کشف المحجوب سے معلوم ہو سکے، لکھے جاتے ہیں۔

کشف المحجوب میں جہاں آپ نے ادب کی خوبیاں اور احکام بیان کئے

ہیں، وہاں اپنے سفر خراسان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں عثمان جلابی کے بیٹے علی نے خراسان (9) کے ایک گاؤں میں جس کو کمندور کہتے ہیں، ایک آدمی کو دیکھا ہے، جس کو ادیب کندی کہتے تھے۔ یہ بزرگ شخص بیس سال تک پاؤں کے بل کھڑا رہا اور سوائے نماز کے کبھی نہیں بیٹھتا تھا۔ لوگوں نے کھڑا رہنے کا سبب پوچھا۔ جواب دیا، مجھے ابھی تک یہ درجہ حاصل نہیں ہوا ہے کہ خدا کے مشاہدہ میں بیٹھنے کی عزت حاصل کرسکوں"۔ (10)

سچ ہے

ادب تاجیست از سر الٰہی    بنہ برسر برو ہر جا کہ خواہی

ایک (11) مرتبہ ماوراء النہر جانکلے، احمد حماد سرخسیؒ آپ کے رفیق تھے۔ ان سے پوچھا کہ تم نکاح کیوں نہیں کرتے؟ اس نے کہا ضرورت نہیں معلوم ہوتی، فرمایا، کیوں؟ کہا کہ "میں اپنے زمانے میں یا اپنے سے غائب ہوتا ہوں یا غائب ہوتا ہوں تو دونوں جہانوں سے مجھے کچھ یاد نہیں ہوتا اور جب حاضر ہوتا ہوں تو اپنے نفس کو ایسا رکھتا ہوں کہ ایک روٹی کو ہزار حور سے بہتر سمجھتا ہوں۔ پس دل کے شغل سے بہتر اور کوئی شغل نہیں"۔ (12)

کشف المحجوب میں جو حقائق و معارف کا خزانہ ہے، باب الاشعار میں لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ مرو (13) میں تھا، اہل حدیث کے ایک بڑے امام نے جو بہت مشہور تھا، مجھ سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ میں نے کہا، اس سے بڑی خرابی پیدا ہوگی کہ تم نے جو خواجہ امام ہو، لہو یعنی کھیل کو جو سب

گناہوں کا اصل ہے، حلال کر دیا ہے۔ اس نے کہا۔ اگر تو حلال نہیں سمجھتا ہے تو آپ سماع کیوں کرتا ہے؟ فرماتے ہیں: "میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہر شخص سماع کے قابل نہیں ہے، اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہے تو حرام ہے اور اگر مباح کی ہے تو مباح، جس چیز کا ظاہری حکم گناہ ہے، ممکن ہے صاحب باطن پر اس کا اطلاق نہ ہو سکتا ہو"۔ (14)

سماع کی حقیقت اور اس کے مراتب کا جہاں ذکر کیا ہے، وہاں لکھا ہے کہ میں ایک مرتبہ آذربائیجان (15) کے پہاڑوں میں پھر رہا تھا کہ ایک درویش کو دیکھا جو بکسرت وزاری اشعار پڑھ رہا تھا، شعروں کے پڑھنے کے بعد اس کا رنگ ایسا متغیر و متاثر ہوا کہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور میرے دیکھتے دیکھتے وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور جان جان آفرین کو سونپ دی۔

ہندوستان کا سفر اختیار کرنے سے پہلے یقیناً آپ نے اور ممالک کی بھی سیر کی ہوگی۔ مگر کشف المحجوب سے جو آپ کی کئی تصانیف میں سے صرف ایک ہی مطبوعہ ضخیم تصنیف ہے۔ ان ہی چار پانچ سفروں کا حال معلوم ہوا ہے جو اُوپر درج کر دیا گیا ہے۔

## حضرت علی ہجویریؒ کی تصنیفات:

متاہل زندگی کی بے فکری نے مطالعہ اور سیر و سیاحت کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ چنانچہ خوب پھرے اور تصنیف و تالیف کی طرف آئے تو ایسے ایسے جواہر گرانمایہ اور نکات و رموز ظاہر فرمائے جو حجاب بشریت کے کاشف اور شرح تحقیق کے کلمات پاک ثابت ہوئے۔ آپ کی سب سے پہلی تصنیف جو بارہ سال کی عمر میں لکھی گئی تھی، کے علاوہ آپ کی مندرجہ ذیل تصنیفات کا آپ کی کتاب کشف المحجوب سے پتہ چلتا ہے۔

(1) دیوان جو صوفیانہ اور عارفانہ کلام سے مملو تھا

(2) منہاج الدین

(3) البیان لاہل العیان

(4) اسرار الخرق والمؤنیات

(5) کشف الاسرار

(6) الرعایت بحقوق اللہ

(7) کشف المحجوب (16)

اب ہر کتاب کی نسبت تھوڑا تھوڑا ذکر کیا جاتا ہے:

(1) دیوان: اس کی نسبت وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے پڑھنے کے لیے لیا۔ ایک ہی نسخہ میرے پاس تھا، وہ دے دیا۔ اس غارتگر نے دیوان میں جہاں میرا نام آتا تھا اپنا نام لکھ دیا اور میری ساری محنت ضائع کر دی۔ یہ دیوان آپ کی سب سے پہلی تصنیف تھی جو لوگ ماعر نہیں بلکہ شاعر ہیں اور جو سمجھتے ہیں:

خشک سیروں تن شاعر کا لہو ہوتا ہے

جب نظر آتی ہے اسی مصرع تر کی صورت

وہ اس رنج وقلق اور دماغی محنت کی تباہی و بربادی کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو ایک شعر نہیں، ایک غزل نہیں، بلکہ سارے کا سارا دیوان ایک مضمون چور کے اڑانے سے کسی شاعر کے قلب پر پڑ سکتا ہے۔ پھر شاعر بھی وہ جو منازل طریقت کا شہباز اور انوار عرفانی کا لاجواب مطلع اور علوم ظاہر و باطن کا عالم باعمل ہو۔ حضرت کے چند اشعار کا نمونہ کسی دوسری جگہ درج ہے۔

2۔ منہاج الدین: دوسری تصنیف ہے، لیکن اس کا حشر بھی پہلی تصنیف ہی کی طرح ہوا۔ یعنی اس کتاب کو بھی ایک شخص نے لے کر آپ کا نام اس سے مٹا دیا اور عام لوگوں کے نزدیک اس کا مصنف اپنے آپ کو ظاہر کیا، مگر لکھتے ہیں کہ خاص لوگ (جو

اس کتاب کو آپ کے نام سے اور آپ ہی کے پاس دیکھ چکے تھے) اس کے قول پر ہنستے تھے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس فعل کی بے برکتی اس کو نصیب کی اور اپنی درگاہ کے طالبوں کے دیوان سے اس کا نام مٹا دیا۔ دیوان کے چور کے لیے تو آپ نے فرمایا: اچھا اللہ اس پر رحمت کرے، مگر منہاج الدین کے چور کے لیے آپ کی زبان سے بے ساختہ نکلا: "اس ادنیٰ مدعی کا خدا کرے نام روشن نہ ہو"۔

یہ کتاب تصوف کے متعلق تھی اور غزنی ہی میں لکھی گئی تھی۔

3۔ البیان لاہل العیان: یہ آپ کی تیسری کتاب کا نام ہے۔ یہ کسی نے چرائی تو نہیں، مگر بالکل ناپید ہے اور غالب خیال یہ ہے کہ زیور طبع سے آراستہ ہی نہیں ہوئی۔ کتاب کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب میں اہل ظاہر کے بیانات (خیالات و کمالات) کو ناقابل وقعت ٹھہرایا گیا ہوگا۔ ایک جگہ کشف المحجوب میں اس کتاب کا ذکر بھی آیا ہے۔ وہاں لکھتے ہیں:

> "معراج کی رات کو جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دونوں جہاں دکھائے گئے تو آپؐ نے کسی چیز کی طرف توجہ نہ کی۔ وجہ یہ کہ وہ جمع میں جمع تھے اور جو جمع ہوا وہ تفرقہ کو پسند نہیں کرتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "مازاغ البصر و ما طغیٰ"
> (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھ نے ادھر ادھر نہ میل کی، نہ راہ سے گزری)

اس موقع پر آپ نے لکھا ہے کہ ان معنوں میں (تفصیل کے ساتھ) میں نے ابتداء میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے جس کا نام "البیان لاہل العیان" رکھا ہے۔

4۔ اسرار الخرق والمؤنیات: یہ کتاب شیخ و مرید کے باب میں لکھی گئی ہے۔ چنانچہ

اس کا ذکر بھی آپ نے کشف المحجوب میں اس موقعہ پر کیا ہے جہاں شیخ کے آداب و فضائل کا بیان ہے۔ مرقعہ یا خرقہ کی توضیح بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں، جب باطن کے لیے تو نے ایسا مرقع بنایا جس کا قبہ (کلس، گنبد، کنگرہ) محبت سے بنایا گیا ہو۔ جس کی دو آستینوں سے مراد نفس کی حفاظت اور پاکیزگی ہو، جس کی تریزیں فقر اور برگزیدگی سے ہوں تو ظاہر کو بھی اس کے موافق بنانا چاہیے اور اس باب میں میری ایک کتاب ہے جس کا نام "اسرار الخرق والمؤنیات" ہے اور جس کا ایک ہی نسخہ ہے اور وہ بھی مرو میں ہے۔

معلوم ہوتا ہے یہ کتاب بھی اب تک نہیں چھپ سکی۔ مرو اور اس کے علاقہ میں یا تو اس کی نقلیں لوگوں نے کر لی ہوں گی۔ یا کسی کی غفلت و عدم توجہی اور مرور زمانہ کی وجہ سے گم ہوگئی ہوگی۔ بہر حال ہندوستان میں یہ کتاب نہیں ہے۔

5۔ کشف الاسرار: یہ ایک چھوٹی سی کتاب ہے، لیکن تصوف و معرفت کے نکات و رموز سے مالا مال ہے۔ ایک ایک نکتہ اس کتاب کا کئی کئی صفحوں کی تشریح کا محتاج ہے۔ یہ کتاب لاہور میں لکھی گئی ہے اور اسی کتاب سے آپ کی ایک غزل اور دو شعر مل سکے ہیں۔ اس کتاب کا بھی اردو میں ترجمہ چھپ چکا ہے جس کے لئے پبلک صوفی منش مترجم (مولوی فیروز الدین صاحب) کی مرہون منت ہے۔

6۔ الرعایت بحقوق اللہ: یہ کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ان حقوق کی رعایت میں لکھی گئی ہے جو عبد ہونے کی حالت میں ہم پر واجب ہیں۔ واحدانیت اور توحید کے مسئلہ پر اس میں خوب بحث کی گئی ہے اور ان لوگوں کے جو بے انتہا صانعوں اور خالقوں کو مانتے ہیں، بے ہودہ سخنوں کا قوی دلیلوں اور روشن براہین کے ساتھ رد کیا ہے۔ یہ کتاب بھی نایاب ہے اور اس کا صرف نام ہی نام سنا جاتا ہے۔

7۔ کشف المحجوب: حضرت کی تمام تصنیفات میں سے یہی ایک تصنیف ہے جو بہت

ضخیم ہے اور عام طور پر ملتی ہے اور جس کی نسبت یہ یقین ظاہر کیا جاتا ہے کہ زمانہ قیام غزنی کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اور حضرت لاہور میں تشریف آوری کے وقت اس کو اپنے ہمراہ ہی لے آئے تھے اور یہیں اس کو مکمل کیا گیا تھا۔ کیونکہ اس کتاب میں ہندوستان کے ایک واقعہ کا بھی ذکر ہے۔ یہ کتاب ابوسعید ہجویریؒ کی (جن کا مزار آپ کے احاطہ چار دیواری میں موجود ہے) اس خواہش کے مطابق لکھی گئی تھی کہ تصوف کے طریقہ کی تحقیق اور اہل تصوف کے مقاموں کی کیفیت، ان کے اقوال و مذاہب کا ذکر، ان کے رموز و اشارات اور خدائے بزرگ و بلند کی حجت کی حقیقت اور دلوں پر اس کے ظاہر کرنے کی حقیقت کا ذکر کیا جائے۔ عقول کے حجاب کا سبب اس کی حقیقت سے نفس کی نفرت، اپنی صفائی اور پاکیزگی روح کے آرام کا بیان کیا جائے۔ ابوسعید ہجویری وہی بزرگ تھے جو غزنی سے آپ کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے۔

کشف المحجوب میں تصوف و معرفت کا کوئی ایسا پہلو نہیں جو نظر انداز کیا گیا ہو، یہ کتاب گم گشتگان راہ ضلالت کے لئے ایک چراغ ہدایت ہے۔ اصل کتاب فارسی میں ہے مگر اب اردو اور کئی دوسری زبانوں میں اس کے تراجم چھپ چکے ہیں۔

### حضرت علی ہجویریؒ کی شاعری:

حضرت علی ہجویریؒ کے دیوان کے متعلق قبل ازیں لکھا جا چکا ہے کہ ایک شخص نے پڑھنے کے لیے لیا اور حضرت کے نام کی جگہ اپنا نام یا تخلص رکھ کر اس دیوان کو اپنے نام سے مشہور کر دیا۔ خدا کو ہی معلوم ہے کہ حضرت نے دماغ کے صدف سے کیا کیا آبدار موتی اس کاغذی سمندر (دیوان) میں ڈالے ہوں گے۔ جن کو ایک مضمون چور مگرمچھ بن کر نگل گیا اور حقیقت و معرفت کے غواصوں کو اس خزانہ سے محروم کر گیا۔

کشف الاسرار میں بھی آپ نے اپنے دیوان کا ذکر کیا ہے اور
لکھا ہے: میں نے بہت سے شعر کہے ہیں، بلکہ ایک دیوان بھی

تیار کیا ہے جو دیکھنے والوں کی نظر میں بہت پسند اور مرغوب ہوا ہے"۔

شاعری میں آپ نے کسی سے اصلاح نہیں لی اور نہ تکلف و غور اور دماغ سوزی اور تصنع کو شاعری میں دخل دیا ہے، بلکہ بے ساختہ جو کچھ زبان پر آیا ہے اور یاد الہیٰ نے جس قسم کی تڑپ دل میں پیدا کی ہے ویسے ہی اشعار موزوں ہوتے گئے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

"اے میرے مرید! میں ہر روز یار کے دیدار کو جاتا ہوں اور وہ کبھی کبھی مجھے جلوہ بھی دکھاتا ہے اور میں نے اپنے دیوان کو اسی حالت میں کہا ہے کہ جب یار کا منہ دیکھا جو کچھ بے اختیار منہ سے بغیر کسی فکر کے نکلتا گیا دیوان بن گیا"۔

کشف الاسرار میں آپ نے اپنی ایک چھوٹی سی غزل بھی درج کی ہے جو حسب ذیل ہے:

## غزل

اشتیاقت روز و شب دارزم دلا  عشق تو دارم نہان و برملا
جان بخواہم داد اندر کو لے تو  گر مرا آزار آید یا بلاء
سوز تو دارم میان جان و دل  میدہم از عشق تو ہر سو صدا
یا خداوندا! رقیباں رابکش  مست دریادت بگروان یا مرا
یار من داری شراب جام خوش  مہربانی کن بمن غم مبتلاء
دلبرا از تو ہمے خواہم لقاء  کن تو آرے مکن ہرگز تولاء

اے علی تو فرخی در شہر و کوء
وہ زعشق خویشتن ہر سو صلاء (17)

کشف الاسرار کے آخر میں جہاں لکھا ہے "الٰہی! میری کتاب کو نورانی کر دے اور میرے گناہوں کو معاف فرما کہ جو کچھ ہے تو ہی تو ہے"۔ حضرت نے اپنے دو طبع زاد شعر لکھے ہیں، جو درج ذیل ہیں

مکن اے علی بیش ازیں گفتگو
اگر مرد حقی و پاکیزہ خو
ہر آنچہ تو داری ثواب و عذاب
آمرزش بخواہ از خدا بالصواب (18)

# حواشی

1۔طبقات کبری اور تاریخ فرشتہ میں ساتویں اور آٹھویں مہم کوایک ہی واقعہ ظاہر کیا ہے مگر حبیب السیر اور تاریخ یمینی اور روضۃ الصفاء کے حوالہ سے مولانا ذکاءاللہ دہلوی نے اپنی تاریخ ہند کی جلد اول میں اس کا الگ الگ ذکر کیا ہے۔

2۔سفینۃ الاولیاء،ص164

3۔یہ بوسیدہ اور پھٹے ہوئے چار اوراق مولوی غلام جیلانی صاحب خوشنویس لاہور (سکنہ سمبڑیال ضلع سیالکوٹ) نے عنایت فرمائے تھے۔اس کتاب میں چونکہ داراشکوہ کی کتاب سفینۃ الاولیاء کا بھی ذکر ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے بعد کی یہ کتاب لکھی ہوئی ہے۔

4۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص274

5۔کشف المحجوب،اردو ترجمہ،ص359

6۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص657

7۔ایضاً،ص274-275

8۔ایضاً،ص592

9۔اصل نام خورسان یعنی مانند آفتاب ہے۔ایران کا شمال مشرقی صوبہ ہے۔مشہد اور نیشاپور اس کے مشہور شہر ہیں۔

10۔کشف المحجوب،ص544

11۔یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (99ھ تا 101ھ/ 617ء تا 720ء) کے عہد میں اسلام کی اشاعت ہوئی اور کچھ لوگ ہشام (105ھ تا 125ھ/ 724ء تا 744ء کے عہد میں بھی مسلمان ہوئے۔

12۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص593۔

13۔متصل ہرات12

14۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص651-652

15۔آذربائی جان کا دارالسلطنت قدیم زمانہ میں تبریز تھا۔اب ایران کا ایک صوبہ ہے اور کردستان لورستان،اصفہان اور کاشان اور قم اس میں شامل ہیں۔

16۔کشف المحجوب میں چند اور کتابوں کا ذکر بھی ہے۔ (1) کتاب فنا و بقاء (2) نحو القلوب (3) ایمان۔ ملاحظہ ہوں بر صفحہ 67-333-368-374

17۔غزل کا ترجمہ اردو نظم سلیس میں مولوی فیروز الدین صاحب مترجم کشف المحجوب نے مندرجہ ذیل کیا ہے:

شوق تیرا رات دن رکھتا ہے دل عشق تیرا ظاہر و باطن ہوا
جان دیدہ و نگاہ تیری دہلیز پر خواہ ہو تکلیف اور آئے بلاء
عشق میں آہ و فغاں کیونکر نہ ہو جبکہ سوزش سے ہو دل تک جل رہا
ہے خوشی کی مے کا ساغر تیرے پاس غمزدہ ہوں میں مجھے بھی دے پلاء
تشنہ دیدار تیری ہے یہ آنکھ کہہ دے ہاں اور نہ نہ کر بہر خدا

اے علی خوش ہو کے آوازے نکال
تا کہ مشک عشق سے مہکے ہوا

18۔

زیادہ نہ کر گفتگو اے علی !
اگر ہے تو پاکیزہ خو اور ولی
برا اور بھلا ہے مجھ میں جس قدر
عنایت سے یا رب اسے عفو کر !

(مولوی فیروز الدین)

# حضرت علی ہجویریؒ کو لاہور روانگی کا حکم

جب حضرت کے پیر روشن ضمیر کو معلوم ہو گیا کہ مرید اب تکمیل کو پہنچ گیا ہے اور اب وہ وقت آ گیا ہے کہ عوام الناس کو اس کی ذات سے فیض و برکت حاصل ہو۔ تو آپ نے ایک دن ان سے فرمایا کہ تم لاہور جاؤ۔ وہاں تمہاری بڑی ضرورت ہے اور وہ لوگ اس چشمہ کے منتظر ہیں اور اس سے سیراب ہونے کے متمنی ہیں جو تمہاری ہدایات و نصائح اور تمہارے خُلق اور تمہارے علم و فضل اور تمہارے فقر و تصوف سے اس سرزمین میں جاری ہونے والا ہے۔

آپ نے جواب دیا کہ وہاں تو ہمارے پیر بھائی اور آپ کے مرید کامل حضرت حسین زنجانیؒ موجود ہیں اور وہ قطب الاقطاب ہیں۔ ان کی موجودگی میں میری کیا ضرورت ہے؟ اور میرے جانے سے وہاں کے لوگوں کو کیا فائدہ ہوگا؟ آپ کے مرشد حضرت ابوالفضل بن حسن ختلیؒ نے فرمایا۔ تم کو چون و چرا، ایں اور آں اور بحث و مباحثہ سے کیا مطلب۔ بلا توقف جاؤ۔

غزنی سے لاہور کا سفر جس قدر دشوار گزار ہے اور جس قدر دُور دراز فاصلے پر ہے، اس کو کون نہیں جانتا؟ ملک الگ، زبان الگ، معاشرت الگ، آب و ہوا میں نمایاں اختلاف، ایسے، ملک اور ایسے دور دراز سفر کی تیاریوں کے لیے جس قسم کے ساز و سامان کی ضرورت ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مگر حضرت علی ہجویریؒ پا پیادہ بغیر کسی ساز و سامان اور بغیر کسی اہتمام و انصرام کے روانہ ہوئے۔ اس ملک میں جس کے رستے سے بھی ناواقف ہیں اور جس کے باشندوں میں سے کسی ایک سے بھی شناسائی نہیں رکھتے بلکہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ کس کی کشش لیے جاتی ہے اور کس کام اور مقصد کے لئے۔

ماندانیم کہ منزل گۂہ مقصود کجا است
ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

"پیرومرشد" ایسا ہی کامل ہونا چاہیے جو ایک نظر میں مرید کو کامل بنا دے اور اسے چون و چرا کی مہلت ہی نہ دے اور مرید بھی، ایسا ہونا چاہیے جو بغیر پس و پیش کے مرشد کے حکم کو سر آنکھوں پر رکھے اور کہے

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

## حضرت کے زمانے میں غزنی کی پولیٹکل حالت:

سلطان محمود 23 ربیع الآخر 421ھ کو فوت ہوا۔ اس کے بعد اس کے دو بیٹوں امیر محمد اور امیر مسعود میں تخت و تاج کے لئے جھگڑے ہوتے رہے۔ جو پانچ ماہ تک برابر جاری رہے۔ بالاخر تخت امیر مسعود کے قبضہ میں آیا اور ملک نے کسی قدر اطمینان حاصل کیا۔

سلطان محمود کی وفات سے نو دس سال بعد 430ھ تک جب تک کہ حضرت علی ہجویریؒ غزنی میں رہے چونکہ ایک ہی بادشاہ کی حکومت تھی اور ملک کا دوسرا دعویدار (امیر محمد) اندھا کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا، اس لئے ملک کی حالت عام طور پر بہت زیادہ تشویش انگیز نہ تھی۔ البتہ سلطان مسعود سلجوقیوں اور ترکمانوں سے ضرور لڑتا رہا اور 429ھ میں جرجان اور طبرستان کی فتح کے بعد ہندوستان میں بھی آیا اور ہانسی اور سونی پت کے قلعوں کو فتح کیا۔ مگر فائدے سے زیادہ نقصان ہو گیا۔ یعنی اس کی غیر حاضری میں اس کی مملکت میں شور عظیم پیدا ہوا اور سلجوقیوں اور ترکمانوں اور طبرستان کے امیر کو جو منحرف ہو گیا تھا، بغاوت پر آمادہ پایا اور بڑی مشکلوں سے ان سب کو سیدھا کیا۔

## سلطان مسعود کی مشکلات اور اس کی موت:

جس سال حضرت مخدوم علی ہجویریؒ ہندوستان کے سفر کے لیے ترکِ وطن پر آمادہ ہوئے ہیں اس سال یعنی 431ھ میں ان کے وطن غزنی پر سخت تباہی آئی۔ رمضان 431ھ کو ترکمانوں نے چاروں طرف سے ہجوم کر کے غزنی کے تمام راستے بند کر دیئے، جنگ عظیم ہوئی۔ سلطان کو اس موقعہ پر اس کے بڑے بڑے سرداروں نے بڑا دغا دیا، سب دشمن سے جا ملے۔ وہ تنہا لڑتا رہا، آخر مرو میں گیا۔ بعض بھاگے ہوئے سرداروں کو ہندوستان کے قلعوں میں قید کیا، اپنے بھائی امیر محمد کو جو اس کے حکم سے نابینا کیا گیا تھا، غزنی کے قلعہ میں بھیج دیا۔ اس کے بیٹوں کو زر نقد عطا کیا، خلعت دیئے، وظیفے مقرر کئے، بلکہ اس کے بڑے بیٹے امیر محمد احمد کے ساتھ اپنی بیٹی حرہ گوہر کو منسوب کر دیا۔ یہ انتظامات کر کے اس نے بیگمات کو زر و جواہر اور ضروری چیزیں لے کر تیاری کا حکم دے کر اپنے ہمراہ ہندوستان لے جانے کا ارادہ کیا۔ تاکہ وہاں سے فوج جمع کر کے لائے اور سلجوقیوں کو اپنے ملک سے نکال دے۔

امراء و وزراء نے منع کیا لیکن وہ اپنے ارادوں سے باز نہ آیا۔ آخر دریائے سندھ کے پار اترا۔ غلطی یہ کی کہ خزانوں کو پیچھے رکھا۔ ایک امیر کی نیت بگڑی وہ خزانے لے کر واپس گیا اور اندھے امیر محمد کو جو قلعہ میں قید تھا، باوجود اس کے انکار کے تختِ حکومت پر بٹھا دیا اور سلطان مسعود سے لڑانے کے لئے دریائے سندھ کے پار لے گیا۔ چونکہ اقبال مندی ساتھ چھوڑ رہی تھی۔ اس لیے سب چھوٹے بڑوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ آخر گرفتار ہو کر اپنے اندھے بھائی کے پاس جواب امیر محمد کی بجائے سلطان محمد تھا، لایا گیا۔ اس نے جان بخشی کر کے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ جہاں وہ 433ھ میں امیر محمد اپنے داماد اور سلطان محمد کے بیٹے کی تحریک سے قتل کر دیا گیا۔ غرض غزنی میں خون خرابے کا زمانہ تھا، جب آپ نے لاہور آنے کا قصد کیا ہے۔

## حضرت علی ہجویریؒ کی روانگی لاہور اور اس بارے میں مختلف بیانات:

حضرت علی ہجویریؒ غزنی سے کسی قافلہ کے ساتھ بجانب لاہور روانہ ہوئے یا شاہی لشکر کے ہمراہ یا اپنے ہی مشرب کے چند صوفیوں کو اپنا ہمراہ بنایا۔ اس میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔

خان بہادر سید محمد لطیف اپنی کتاب "تاریخ لاہور" (انگریزی) میں لکھتے ہیں کہ آپ سلطان مسعود پسر سلطان محمود کی فوج کے پیچھے پیچھے 431ھ/1039ء میں لاہور تشریف لائے۔ ان الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ 431ھ میں سلطان مسعود نے ہندوستان پر چڑھائی بھی کی ہوگی۔

"فرہنگ آصفیہ" میں جو اردو زبان کی ایک لاجواب اور ضخیم کتاب ہے، حضرت علی ہجویریؒ کا نام شیخ محمد مخدوم عرف داتا گنج بخشؒ غزنوی لاہوری لکھ کر یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ سلطان مسعود ابن سلطان محمود کے ہمراہ لاہور تشریف لائے تھے اور زمانہ تشریف آوری 441ھ لکھا ہے۔

قلمی کتاب "پنجابی نظم" کی جس کے صرف آٹھ صفحے راقم الحروف کو مل سکے ہیں اور جن کا نہ آغاز ہے اور نہ انجام۔ حضرت کی تشریف آوری کے متعلق ظاہر کرتی ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے ایک کتاب فوائد لکھی ہے، اس میں انہوں نے بیان کیا ہے کہ وہ اپنے پیر روشن ضمیر کے حکم سے غزنی سے لاہور کو روانہ ہوئے۔ حضرت علی ہجویریؒ نے عذر کیا کہ وہاں میرے پیر بھائی حسین زنجانیؒ موجود ہیں۔ میری کیا ضرورت ہے۔ اس پر آپ کے پیر نے فرمایا ہے

دتا حضرت پیر نے ایہہ جواب صفا تینوں حکمت پچھنی اسوچہ مطلب کیا
کرتوں میرے حکم دی ہُن فوراً تعمیل نا کر اس فرمانوچہ حجت تے تاویل
(یعنی حضرت پیر نے جواب دیا کہ تمہیں روانگی کی حکمت وجوہات کے پوچھنے سے کیا

مطلب ؟ تم بغیر کسی حجت وتاویل کے میرے حکم کی تعمیل کرو)۔

اسی قلمی کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ جب غزنی سے روانہ ہوئے ہیں اس وقت سلطان مسعود ابن سلطان محمود کا زمانہ تھا اور

چار سو اکی سن سی ہجری وچہ شمار کیتا جدوں پنجاب نوں حضرت نے آباد
(یعنی 421ھ میں آپ پنجاب میں تشریف لائے)۔

بزرگان لاہور اور لاہور کی عمارات قدیمہ کے متعلق جو کتاب حکام کے ایماء سے 1864ء مطابق 1281ھ کو لکھی گئی تھی اور جس کا حجم 800 صفحہ کے قریب ہے، اس کا نام تحقیقات چشتیؒ ہے۔ اس تصنیف کو اکیاون سال کا عرصہ گزر چکا ہے مگر حالات کی تحقیق و تفتیش بھی اگر شمار کی جائے تو پورے ساٹھ سال کا عرصہ سمجھا جانا چاہیے۔ یہ کتاب مقامی حکام کے ایماء و حکم سے لکھی گئی ہے اس لیے ضروری ہے کہ مصنف کو حالات کے فراہم کرنے میں بہت سہولت ہوئی ہوگی۔

مفتی غلام سرور کی کتاب "خزینۃ الاصفیاء" بھی بہت مشہور ہے مگر دراصل وہ اسی کتاب کی خوشہ چینی کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ وہ "تحقیقات چشتیؒ" کے مصنف کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں کہ "مجھے درگاہوں اور مزاروں کے سجادہ نشین اپنا اور اپنے بزرگوں کا حال بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ جب آپ کو بہ اقبالِ سرکار۔ یہ حالات دستیاب ہوں تو ان کی نقل مجھے بھی مرحمت کریں"۔

ان حالات میں تحقیقات چشتی آخری ضخیم اور مستند کتاب ہے جو لاہور کے دیگر بزرگان دین کے ساتھ حضرت علی ہجویریؒ کے حالات پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ اپنے پیرومرشد کے حکم سے لاہور میں محض اشاعت دین کے لئے تشریف لائے تھے۔ ان کا قافلہ صرف تین آدمیوں پر مشتمل تھا۔ ایک خود حضرت علی ہجویریؒ، ایک شیخ احمد جمادی سرخسیؒ اور تیسرے شیخ

ابو سعید ہجویریؒ (1)۔ جن کے استفسارات کے جواب میں آپ نے کتاب کشف المحجوب لکھی ہے۔

ان بیانات کی تطبیق تاریخی واقعات سے:

"تاریخ لاہور" اور "فرہنگ آصفیہ" کے مصنفوں نے جو یہ لکھا ہے کہ آپ 431ھ میں لاہور تشریف لائے۔ یہ بیان تو درست معلوم ہوتا ہے لیکن یہ امر کہ آپ سلطان مسعود کی ہمراہی میں یا اس کی فوج کے ساتھ غزنی سے روانہ ہوئے تحقیق طلب ہے۔ قلمی پنجابی نظم والی کتاب کا لکھنا کہ آپ سلطان مسعود کے زمانے میں لاہور آئے، درست ہے۔ لیکن یہ امر کہ آپ 421ھ میں لاہور پہنچے، تاریخی ثبوت کا محتاج نظر آتا ہے۔

جب ہم تاریخ کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سلطان مسعود 19 ذی الحجہ 429ھ کو غزنی سے ہندوستان کی طرف روانہ ہوا اور 25 محرم 430ھ یعنی ایک ماہ سات دن کے بعد دریائے جہلم کے کنارے خیمہ زن ہوا اور لاہور سے گزر کر نہم ربیع الاول 430ھ کو (یعنی ورودگئ جہلم سے کامل ڈیڑھ ماہ اور روانگی غزنی سے دو ماہ بائیس دن بعد) ہانسی (ضلع حصار میں) پہنچ گیا۔ جس کے سرکشوں کی تنبیہ کرنے اور قلعہ ہانسی و پانی پت کو فتح کرنے کے خیال سے وہ گھر سے نکلا تھا۔ سلطان کی عدم موجودگی میں سلجوقیوں اور ترکمانوں نے ملک میں ایک شورش برپا کر دی۔ اس لیے مسعود کو جلدی واپس آنا پڑا۔ واپس آ کر فتنہ کی آگ دبا تو دی لیکن بجھائی نہ جا سکی۔

بلکہ 8 رمضان 431ھ کو ان قوموں کا اس قدر زور ہو گیا کہ سلطان مسعود کو مرو میں جانا پڑا اور اپنے اندھے بھائی کو غزنی کے قید خانے میں بھیجنا پڑا۔ تا کہ دشمن اسے اپنے قبضے میں لا کر تخت کا دعوے دار نہ بنا دیں۔ اپنی ایک بیٹی کو بھائی کے لڑکے

سے منسوب کر دیا۔ بھتیجوں کے وظیفے مقرر کر دیئے اور بیگمات اور کچھ فوج اور خزانہ ہمراہ لے کر ہندوستان کو روانہ ہو گیا۔

8 رمضان کو جب سلطان مسعود کو مرو جانا پڑا ہے۔ اس وقت 431ھ کے ختم ہونے میں تین مہینے اور بائیس دن تھے۔ مرو میں جانے، مفرور سرداروں کو جمع کر کے ہندوستان کے قید خانوں میں بھیجنے اور بھائی اور بھتیجوں کے معاملات کو درست کرنے کے لئے ایک ایسے ملک میں جہاں شورش اور فساد موجود ہو اور امن و اطمینان مفقود ہو، تین مہینہ کا عرصہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اگر ہمارا یہ خیال درست ہو تو سلطان مسعود ذی الحجہ کے مہینے میں بیگمات کو ہمراہ لے کر غزنی سے روانہ ہوا تھا اور ابھی وہ اٹک کے پار ہی پہنچا تھا کہ اس کا ایک امیر خزانہ کو واپس لے کر غزنی چلا گیا اور اس کے مکحول بھائی کو اس کے مقابلہ کے لیے اٹک کے پار لے گیا، جہاں سلطان مسعود بے چارا گرفتار ہو گیا۔

سلطان مسعود 429ھ میں جب غزنی سے ہندوستان روانہ ہوا تو وہ ایک ماہ سات دن کے عرصہ میں جہلم پہنچا تھا۔ اب اٹک پہنچنے کے لیے بھی اس کو کم از کم ایک مہینہ صرف کرنا پڑا ہوگا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ محرم 432ھ کے وسط یا اس ماہ کی کسی کم و بیش تاریخ کو اٹک پہنچا ہوگا اور پھر یہیں سے گرفتار ہو کر واپس غزنی میں اس غریب کو جانا پڑا تھا یعنی اس سفر میں جو اس کا آخری سفر تھا۔ اس کو ہندوستان کیا لاہور بھی دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

اس طویل تحریر سے مطلب یہ ہے کہ حضرت علی ہجویریؒ کی تشریف آوری جو سلطان مسعود کے ہمراہ بیان کی جاتی ہے، وہ درست معلوم نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ 431ھ میں جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور میں آئے ہیں۔ سلطان مسعود پنجاب میں نہیں آیا۔ بلکہ وہ 430ھ کے شروع مہینے میں جہلم پہنچا ہے اس کے بعد دوسرا سفر جو

سلطان مسعود نے کیا ہے وہ 432ھ کے ابتداء میں ہے۔ جس میں وہ اٹک تک ہی پہنچنے پایا تھا کہ اس کے مکحول بھائی نے اس کو گرفتار کرلیا۔ یہ درست ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان بادشاہ کسی غیر اسلامی ملک پر حملہ کرنے کے وقت علماء وصوفیاء کی ایک جماعت بھی ساتھ رکھا کرتے تھے جو اپنے گفتار و کردار اور اپنے حسن خلق سے کفر کی تاریکی کو اسلام کی نورانی شعاعوں سے دور کر دیتے تھے۔ مگر تاریخ ثابت کرتی ہے کہ 431ھ میں جب حضرت علی ہجویریؒ لاہور آئے، سلطان مسعود نے پنجاب پر کوئی حملہ نہیں کیا۔ بلکہ وہ پنجاب میں شروع 430ھ اور شروع 432ھ میں آیا ہے۔ اس کا دوسرا سفر حملہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے بچاؤ کے لئے تھا اور وہ پنجاب سے فوج لے کر غزنی سے سلجوقیوں اور ترکمانوں کا اثر کم کرنا چاہتا تھا۔ اس حالت میں یہ کبھی ممکن نہیں ہوسکتا کہ وہ علماء وصوفیاء کا ایک گروہ بھی ساتھ لایا ہو۔

پنجابی نظم کی قلمی کتاب میں جو یہ لکھا ہے کہ آپ 421ھ میں لاہور آئے یہ بھی غلط ہے۔ 421ھ میں سلطان محمود کا انتقال ہوا تھا اور اس کے بعد اس کے جانشینوں میں کئی ماہ تک لڑائی جھگڑے رہے اور آخر کار سلطان مسعود تخت پر بیٹھا۔

جن لوگوں کو معلوم ہے کہ گزشتہ زمانے کے صوفی اور اہل دل لوگ اشاعت توحید اور تبلیغ رسالت کی خاطر سفر کی صعوبتیں اٹھاتے رہے اور خاردار بیابانوں اور ہولناک جنگلوں اور دہشت خیز پہاڑوں کو محض تن تنہا عبور کرتے رہے ہیں اور محض اپنے سچے اسلامی سپرٹ اور کیرکٹر کی بدولت بے تیغ و تفنگ اسلام کی نمایاں خدمات بجالاتے رہے ہیں۔ ان کو حضرت علی ہجویریؒ کے تنہا یا صرف چند ہمراہیوں کے ساتھ روانہ پنجاب ہونے پر ذرا بھی تعجب اور شبہ نہیں ہوتا اور نہ ہونا چاہیے۔

حضرت کی تشریف آوری سے پہلے لاہور کی حالت:

367ھ مطابق 977ء سے پہلے پنجاب، دہلی، کالنجر وغیرہ صوبہ جات میں

ہندوؤں کی حکومت تھی۔ 977ء سبکتگین غزنوی امیر افغانستان اپنے جلوس کے پہلے ہی سال میں لاہور پر حملہ آور ہوا اور نہ صرف لاہور بلکہ ملتان کا صوبہ بھی اپنے قبضہ میں کرلیا۔ ان دنوں برہمن خاندان کا راجہ جے پال لاہور میں حکومت کرتا تھا۔ سبکتگین نے اس کا ملک اسی کو بخش دیا۔ مگر وہ ہزیمت وشکست کا دھبہ مٹانے کے لئے دریائے سندھ کو عبور کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہوا اور شکست کھا کر اور بھی الٹا شرمسار ہوا۔ بلکہ زرنقد اور ہاتھیوں کی پیش کش اور بہت سے ہندی تحائف دینے کی شرط کر آیا۔

امیر سبکتگین نے اپنا معتمد نواب خیر اللہ خان ساتھ بھیجا۔ واپس آنے پر برہمنوں نے ادائے خراج سے منع کیا اور چھتریوں نے ایفائے عہد پر زور دیا۔ چونکہ برہمنوں کا زور تھا، اس لئے راجہ جے پال نے اپنی شامت اعمال سے انہی کی بات مان لی اور نواب خیر اللہ خان کی برسر دربار سخت بے عزتی کی۔ جب یہ خبر غزنی پہنچی تو سبکتگین فوج کثیر لے کر روانہ ہوا اور باوجودیکہ تمام راجگان دہلی، اجمیر، قنوج اور کالنجر وغیرہ نے راجہ لاہور کی مدد کی مگر سبکتگین نے اسے شکست فاش دی۔

سبکتگین کے بعد اس کے بیٹے سلطان محمود نے 391ھ/ 1001ء میں لاہور پر حملہ کیا اور اپنے باپ کے قدیمی دشمن راجہ جے پال کو شکستِ فاش دی اور خراج و باج کا عہد و پیمان لے کر رہا کیا۔ راجہ کو باپ بیٹوں سے تین دفعہ شکست فاش ہو چکی تھی، وہ اس شرم کی تاب نہ لا کر خود زندہ جل مرا اور راج اپنے بیٹے انند پال کو دے گیا۔

اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ ہی اشاعتِ اسلام کا دائرہ بھی وسیع ہو رہا تھا اور خدائے واحد کی پرستش کروڑہا دیوتاؤں پر غالب آ رہی تھی۔ بلکہ ملتان میں ایک مسلمان حاکم حمید لودھی بھی موجود تھا۔ جن کے سبکتگین سے اچھے تعلقات تھے۔ مگر جب اس کا پوتا ابوالفتح داؤد جو قرمطی (2) مذہب کا پیرو تھا وہ دین اسلام میں رخنہ

اندازی کرنے لگا تو محمود کو ملتان پر چڑھائی کی ضرورت محسوس ہوئی، چونکہ لاہور سے ہو کر ملتان جانا پڑتا تھا۔ اسی لیے راجہ انند پال والی لاہور سے صرف اس کے ملک سے گزر جانے کی امداد طلب کی، مگر اس نے انکار کیا۔ سلطان نے پہلے اس کا سر کچلا، آخر راجہ بھاگ کر کشمیر کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ بعد میں ابوالفتح داؤد پر بھی فتح پائی۔

اس عرصہ میں ہندوستان میں شعائر اسلام کا رواج ہو رہا تھا اور مساجد بھی تعمیر ہو رہی تھیں۔ سلطان محمود نے دسویں مہم جو تھانیسر پر کی، اس میں بھی سب سے پہلے لاہور ہی آنا پڑا۔ راجہ انند پال کو راہبروں کے مہیا کرنے اور سامان رسد تیار رکھنے کا حکم دیا۔ اس نے اپنی مملکت میں بنئے بقالوں کے نام احکام جاری کر دیئے اور اپنے بھائی کو دو ہزار سوار دے کر غزنی بھیجا کہ سلطان کو کہو کہ تھانیسر ہماری عبادت گاہ ہے۔ وہاں خراج لگا دو تو بہتر ہے۔ میں بھی پچاس ہاتھی سالانہ نذر دیا کروں گا۔ سلطان نے کہا: "بت پرستی کی بیخ کنی کرنا اور شرع اسلام کو رواج دینا ہمارا پہلا فرض ہے"۔

غرض محمود لاہور آ کے اترا اور یہاں سے تھانیسر گیا۔

412ھ میں لاہور کا راجہ انند پال کا بیٹا تھا۔ سلطان نے پہلے کشمیر کا قصد کیا۔ بعد میں لاہور کا ارادہ کیا۔ راجہ خوف کھا کر اجمیر کے راجہ کے پاس چلا گیا۔ سلطان نے اپنے لشکر کو لاہور کے قرب و جوار میں تاخت و تاراج کے لیے بھیجا۔ لشکر نے شہر اور اس کے مضافات کو خوب لوٹا۔

ملک بے وارث تھا۔ سلطان نے اپنے ایک معتمد کو لاہور میں ٹھہرایا اور پنجاب کو غزنی کا ایک صوبہ قرار دیا۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ دریائے اٹک کے جانب شرق میں لشکر اسلام نے سکونت کی اور مسلمان بادشاہ کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور دراصل اسی شہر سے سلطنت اسلامیہ کی بنیاد شروع ہوئی۔

غرض محمود نے جس قدر حملے ہندوستان پر کیئے، وہ سب لاہور ہی کے رستے

ہوئے۔اس لیے لاہور اہل اسلام کے قدموں کا رمنا بنا ہوا تھا۔مگر 412ھ سے پہلے لاہور میں مسلمان امراء یا عام مسلمانوں کا اجتماع اس غرض سے نہیں ہوسکا تھا کہ وہ اس ملک کو اسلامی حکومت بنا کر یہاں قیام کریں۔

432ھ/1032ء میں سلطان محمود کے بیٹے سلطان مسعود کی طرف سے قاضی شیرازی لاہور کے حاکم اور تمام پنجاب کے ذمہ دار افسر تھے۔سلطان نے کام کی زیادتی کی وجہ سے احمد نیال تگیں کو سپہ سالار ہند کا عہدہ دے کر لاہور بھیجا۔اس نے بنارس فتح کرنے کے بعد سرتابی کی۔پھر سلطان نے ایک ہندو تلک نامی حجام زادہ کو یہ عہدہ دیا جس نے شورش رفع کی۔آخر میں سلطان نے شہزادہ امیر مجدالدین کو ہندوستان کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور روانہ کیا۔

# حواشی

1۔اسی کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوا ہے کہ امام باڑہ گامے شاہ واقعہ بیرون بھاٹی دروازہ متصل مزار داتا گنج بخشؒ کے شمال رویہ جو قبر خام ہے وہ پیر بہاون بہشت کی ہے اور یہاں کسی زمانہ میں بہت بڑا قبرستان تھا اور سارا علاقہ بہاون بہشت کے نام سے مشہور تھا۔ مشہور ہے کہ یہ پیر صاحب بھی حضرت داتا صاحبؒ کے ہمراہیوں میں تھے۔ ان کا جذبہ ایسا تھا کہ اگر اسی راہ سے کسی ہندو کا جنازہ گزرتا تھا تو اس کو آگ نہ لگتی تھی۔ آپ کے سر کی طرف ایک چھوٹا سا حوض تھا اور قبر کی دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ تھا جس سے ہر مرض کا مریض شفایاب ہو جاتا تھا۔ جب طامع اور حریص لوگ اس شہد کو جمع کرنے لگے تو اس شہد کا نکلنا موقوف ہو گیا اور دودھ نکلنے لگا۔ اور وہ بھی برسوں اور صدیوں تک جاری رہا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ سکھوں کی ابتدائی عملداری میں وہ دودھ پانی کی شکل میں تبدیل ہو گیا حتیٰ کہ اسی زمانہ میں خشت فروشان ماخداترس نے وہ چبوترہ بھی گرا دیا وہ قبر بھی ڈھا دی اب صرف خام قبر موجود ہے۔

2۔عبداللہ بن میمون ایک ایرانی النسل شخص نے مذہب اسمعیلیہ اختیار کر کے اور پھر اس میں بھی کئی شاخسانے نکالکر اسلام کو تباہ کرنے کا قصد کیا۔ اس کے مذہب کا خلاصہ یہ تھا کہ سب مذہب فضول ہیں، دنیا اور عقبیٰ میں نیک و بد کی کوئی جزا سزا نہیں ہے۔ اس کے مریدوں میں احمد بہت نامی گزرا ہے اور درحقیقت وہی قرمطی مذہب کا بانی ہے اور اسی کا نام قرمطی تھا۔ اس کا عروج 208ھ میں ہوا وہ اپنے آپ کو مہدی۔ احمد۔ محمد۔ یحییٰ بن زکریا، روح القدس اور جبرائیل سبھی کچھ بتاتا تھا اس نے نماز کی اذان نئی ایجاد کی تھی اور اس میں آدم، نوح، عیسیٰ اور محمد (روحی فداہ) کے نام کے ساتھ اپنا نام بھی احمد بن محمد بن الحنفیہ، رسول اللہ پڑھواتا تھا اور بتاتا تھا کہ مجھ پر وحی آتی ہے اور مجھے الہام بھی ہوتا ہے۔ 290ھ میں ملک شام پر اس فرقہ نے بڑا ہولناک حملہ کیا۔ 319ھ میں اس کے جانشین ابوطاہر قرمطی نے مکہ معظمہ پر قبضہ کر کے بہت سے آدمیوں کو قتل کیا اور حجر الاسود کو بیس سال تک اپنے قبضہ میں رکھا۔

خاندان عباسیہ کا بیسواں خلیفہ الراضی حاجیوں کو حج کرانے کے لئے سالانہ روپیہ بھی ان کو دیتا تھا۔۔ ہلاکو خان اور منگو خان نے اس فرقہ کے زن و مرد اور بچوں کو قتل کیا۔ محمود کے محلہ ملتان کے بعد بھی ان کا وجود باقی تھا۔ چنانچہ محمد غوری نے 571ھ میں ان کو پھر ملتان سے نکالا۔ 634ھ میں ان کا پھر زور ہو گیا اور دہلی کی جامع مسجد میں انہوں نے بہت سے لوگوں کو قتل کیا مگر آخر یہ سب لوگ کیفر کردار کو پہنچ گئے۔

# حضرت علی ہجویریؒ کی لاہور میں تشریف آوری

حضرت علی ہجویری اپنے ہمراہیوں سمیت اپنے پیر روشن ضمیر حضرت خواجہ ابوالفضل بن ختلی کے ارشاد کے مطابق منزلوں پر منزلیں طے کرتے، راستے کے دیہاتی باشندوں کو پر حکمت نصائح کے موتی لٹاتے، فقر و فاقہ اور صبر و شکر سے شکم پُری کرتے اور آبلہ پا، کو خار راہ کا شکار بناتے 431ھ مطابق 1041ء میں لاہور پہنچے اور چونکہ شام کے بعد شہر میں پہنچے اور کسی سے جان پہچان نہ تھی اس لئے بیرونِ شہر ہی شب باش ہوئے۔

قلمی پنجابی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاں حوض ہے، وہاں حضرت نے قیام کیا۔ اس جگہ ایک بلند ٹیلہ تھا اور اس پر کریر کا ایک درخت بھی تھا۔ اس درخت کی لکڑی اب تک دربار میں موجود ہے۔ اس قلمی کتاب کے وہ اشعار جن کا مطلب متذکرہ بالا سطور میں لکھا گیا ہے، حسب ذیل ہیں

حوض والی آ جگہ تے اترے حضرت پیر
ٹبہّ سی اک اوسچا اس تے وکھ کریر
او لکڑی موجود ہے ہُن تک وچہ دربار
دیکھے اکھیّں جا ٹیکے جسنوں نہیں اعتبار

غزنی سے چل کر شہر لاہور تک کا سفر اس زمانے میں ڈیڑھ ماہ سے کم میں طے نہ ہوتا تھا۔ معلوم نہیں حضرت منزل بمنزل تشریف لائے یا راستے میں کہیں کچھ عرصے کے لئے قیام بھی فرماتے رہے۔ غالب قیاس یہ ہے کہ ان کی طبعیت چونکہ سیرانی تھی اور کسی خاص تاریخ پر پہنچنے کی کوئی پابندی نہ تھی۔ اس لیے یہ ڈیڑھ ماہ کا سفر آہستہ آہستہ طے کیا ہوگا۔ افسوس ہے کہ اس طویل سفر کے حالات پر کوئی کتاب روشنی

نہیں ڈالتی۔

## حضرت کی تشریف آوری کے وقت لاہور کی حالت:

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ لاہور میں 431ھ میں تشریف لائے۔اس وقت غزنی اور لاہور میں سلطان مسعود کی حکومت اپنے آخری لمحے پورے کر رہی تھی۔ کیونکہ اسی سال کے آخر اور اس سے اگلے سال کی ابتداء میں سلطان مسعود اپنے اندھے بھائی سلطان محمود کے ہاتھوں گرفتار ہو کر قید خانہ میں ڈالا گیا۔ جب اصل حکومت یعنی غزنی میں یہ خانہ جنگی برپا تھی تو فرع یعنی لاہور اور ہندوستان کے دیگر راجاؤں پر اس کا اثر ہونا لازمی تھا۔لاہور تو ہندوستان کا ہیڈکوارٹر اور دارالسلطنت تھا۔ یہاں سلطان مسعود کے چھوٹے بیٹے مجدود نے قبضہ کرلیا اور ہانسی اور تھانیسر تک اپنا استقلال جمالیا۔ادھر سلطان مودود (جو سلطان امیر محمد مکحول اور اس کے بیٹے احمد کے بعد تخت غزنی پر بیٹھا تھا) نے اپنے بھائی کے لیے لشکر جرار کی تیاری کی۔ دہلی اور دوسرے مقامات کے راجاؤں نے اس خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر اور باہمی اتفاق کر کے ہانسی اور تھانیسر کے مسلمانوں کو محصور کرلیا۔محصورین نے اہل لاہور سے مدد مانگی مگر باہمی رنجش کے سبب سے کمک نہ آئی۔اس لیے بت خانے پھر قائم ہو گئے۔ اور اتفاق ایسا ہوا کہ مجدود اپنے خیمہ میں خود بخود مردہ پایا گیا۔جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہو گئے۔

یہ حال دیکھ کر پنجاب اور گردونواح کے راجوں نے جو شیرانِ اسلام کے خوف سے لومڑیوں کی طرح چھپے ہوئے تھے، سر باہر نکالا اور تین قوی دست راجاؤں نے دس ہزار سپاہ لے کر لاہور کا محاصرہ کرلیا۔ مسلمانوں پر یہ بڑا نازک وقت تھا اور لاہور کی رعایا نہ دن کو چین سے کاروبار کرسکتی تھی اور نہ رات کو آرام کی نیند سو سکتی تھی۔ اپنی نااتفاقی پر سب پشیمان تھے۔آخر سلطان مودود کی اطاعت کی اور اس سے مدد

مانگی۔ مگر پیشتر اس کے کہ غزنی سے مدد آئے۔ خداتعالیٰ کی قدرت نے ہند کے راجاؤں میں پھوٹ ڈال دی اور اس طرح مسلمانوں نے عظیم فتح حاصل کی۔

ان حالات میں ملک کی اخلاقی اور مذہبی حالت کا کہاں ٹھکانا ہوسکتا ہے اسلام کی ابھی یہاں ابتداء تھی۔ مگر باہم پھوٹ سے اس کی کافی نشوونما نہ ہوسکتی تھی۔ اُمرائے اسلام ضرور لاہور میں موجود تھے۔ لیکن اسلام کی اشاعت لوہے اور فولاد کی تلوار سے نہیں بلکہ خلقِ محمدیؐ کی تیغ آبدار سے ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ اسلام کے نہایت لطیف اور پاکیزہ اسرار بیان کرنے کے لئے صنم کدہ ہندوستان میں اسلام کا وہ پہلا جیّد مشنری آیا جس کا نام علی مخدوم ہجویریؒ ہے اور جو آج اپنی فیض بخشی اور کرم گستری کی وجہ سے " گنج بخش ہردو عالم " کے نام سے موسوم ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ کو پیرومرشد کے حکم کا راز لاہور میں آکر کھلا:

جب آپ کو آپ کے پیر روشن ضمیر حضرت شیخ ابوالفضل بن حسن ختلیؒ نے لاہور جانے کے لئے فرمایا تھا، تو آپ نے اس کا جواب دیا تھا کہ وہاں پر میرے پیر بھائی حضرت حسین زنجانیؒ موجود ہیں۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت مرشد نے فرمایا تھا:

"ان باتوں میں بحث مباحثہ کی ضرورت نہیں، جاؤ اور بلاتوقف جاؤ"۔

چنانچہ جب آپ لاہور آئے اور بیرونِ شہررات کو قیام کر کے صبح کو شہر کی جانب روانہ ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک جنازہ آرہا ہے اور ایک جم غفیر اس کے ساتھ ہے۔ لوگوں سے پوچھا۔ یہ کس کا جنازہ ہے؟ جب جواب میں حضرت حسین زنجانیؒ کا نام سنا تو حکمتِ الٰہی پر دم بخود ہوکر شامل جنازہ ہوگئے اور تکفین و تدفین فرمائی۔

آپ کے پیر بھائی حضرت شاہ حسین زنجانیؒ:

اس سے قبل لکھا جا چکا ہے کہ جب آپ کو مرشد کامل حضرت ابوالفضل نے لاہور جانے کا ارشاد فرمایا تو آپ نے کہا کہ وہاں میرے پیر بھائی شاہ حسین زنجانیؒ ہیں۔ میرے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ آخر جب آپ پیر کے حکم سے لاہور پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ لوگ حضرت شاہ حسین زنجانیؒ کا جنازہ لیے آتے ہیں۔ آپ ان کے جنازہ کے ساتھ اس مقام پر گئے جہاں اب موضع کھوئی میراں آباد (1) ہے۔ چنانچہ پنجابی زبان کی قلمی کتاب کا شعر ذیل اس کی تصدیق کرتا ہے

جنازہ پڑھ کے اُنہاں نوں مشرق طرف لجا

پنڈ میراں دی کھوئی دے پھر دتّا دفناء

یعنی جنازہ پڑھنے کے بعد ان کو شہر سے مشرق کی طرف لے گئے اور موضع کھوہی میراں میں دفن کر دیا۔

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ المشائخ شاہ حسین زنجانیؒ کے ہمراہ شہر زنجان سے حضرت سید یعقوب زنجانی المشہور صدر دیوانؒ (2) اور شیخ المشائخ سید اسحاق زنجانی (3) بھی تشریف لائے تھے۔ بلکہ راستے میں حضرت امام علی الحقؒ (4) بھی ان کو آ ملے تھے۔ لاہور کی تشریف آوری کا زمانہ 997ء مطابق 387ھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ وہ سال ہے جس میں امیر سبکتگین نے وفات پائی تھی اور لاہور میں راجہ جے پال راج کرتا تھا۔

تحقیقات چشتی میں حضرت زنجانیؒ کی تشریف آوری کا یہی سال لکھا ہے۔ جو اوپر مذکور ہوا ہے۔ مگر تاریخ پنجاب مصنفہ رائے بہادر لالہ گھنیا لعل میں شاہ حسین زنجانیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کا مزار موضع میراں کھوہی میں واقعہ ہے۔ عمارت مختصر ہے مگر بہت قدیم ہے۔ آپ سلاطین غوریہ کے وقت شہر زنجان سے ہند کی

سیر کو آئے اور پھر پھرا کر لاہور قیام فرمایا اور یہیں 604ھ میں وفات پائی۔ جن لوگوں کو تاریخ سے واقفیت ہے۔ ان کو معلوم ہے کہ سلاطین غوریہ کا زمانہ ہندوستان میں سلاطین غزنی کے زوال کے بعد 1190ء کے قریب شروع ہوتا ہے۔

شاہ حسین زنجانی حضرت داتا گنج بخشؒ کے پیر بھائی تھے اور ان سے کئی سال پہلے لاہور میں تشریف رکھتے تھے۔ بلکہ اس روایت کے مطابق کہ آپ 917ء مطابق 377ھ میں لاہور آئے اور جو تقریباً ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ آپ حضرت داتا گنج بخشؒ سے پچپن سال پیشتر مع اپنے ہمراہیوں کے تشریف لائے تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ کو ان کے پیر و مرشد نے بعہد سلطان مسعود غزنوی لاہور بھیجا۔ سب تاریخیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ اس وقت لاہور میں غزنوی حکومت تھی اور وہاں شاہ حسین زنجانیؒ حضرت داتا صاحبؒ کے پیر بھائی بھی موجود تھے۔ لیکن رائے گنھیا لعل کا یہ لکھنا کہ شاہ حسین زنجانیؒ سلاطین غور کے زمانے میں لاہور میں آئے تھے، تاریخی واقعات کے سخت خلاف ہے۔ لیکن اس سے بھی زیادہ ایک عجیب بات یہ ہے کہ تحقیقات چشتی اور تاریخ لاہور مصنفہ رائے کنھیا لعل میں سال وفات حضرت زنجانیؒ کا بالاتفاق 604ھ لکھا ہے۔ حضرت کے لاہور پہنچنے کے زمانے میں اور دونوں کتابوں میں 193 سال کا فرق ہے لیکن سال وفات میں دونوں متفق ہیں۔

اگر بقول تحقیقات چشتی یہ درست ہے کہ آپ 387ھ میں لاہور تشریف لائے اور 604ھ میں آپ نے انتقال فرمایا تو صرف قیام لاہور ہی میں آپ کی عمر 217 سال تک کی پائی جاتی ہے اور اگر کم سے کم پچیس سال آپ کی سابقہ زندگی (غزنی اور زنجان وغیرہ) اور حصول علم وغیرہ کی شمار کی جائے تو آپ کی عمر 242 سال تک جا پہنچتی ہے۔

ایک اور دلچسپ تاریخی غلطی یہ ہے کہ حضرت داتا گنج بخشؒ کا سال وصال

تمام تاریخوں اور کتابوں میں 465ھ لکھا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت کے روضہ پر بھی یہی سال وفات مرقوم ہے۔ اب اگر شاہ حسین زنجانی نے 604ھ میں انتقال کیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ حضرت داتا صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی 139 سال تک زندہ رہے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے آپ کی موجودگی میں حضرت کے مزار پر چلہ کاٹا ہے۔

تحقیقات چشتی میں ایک طرف تو لکھا ہے کہ یہ چاروں صاحب یعنی حضرت سید یعقوب زنجانیؒ، صدر دیوان، شیخ سید اسحاق زنجانیؒ، شیخ سید حسین زنجانیؒ اور حضرت امام علی الحقؒ ایک ہی زمانہ میں اکٹھے وارد ہند ہوئے تھے۔ اس وقت ہجری کا سنہ 557ھ تھا (حالانکہ اسی کتاب میں شاہ حسین زنجانیؒ کے حالات میں آمد کا سال 997ء مطابق 387ء بتایا گیا ہے) بعد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی بھی آ گئے۔ (5) آپس میں خوب صحبتیں رہیں۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے یہاں چلہ بھی کاٹا۔

دوسری جگہ اسی کتاب میں صفحہ 237 پر حضرت سید یعقوب زنجانیؒ، صدر دیوان کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کے مزار پر بھی حضرت خواجہ معین الدینؒ نے چلہ کاٹا ہے۔ آپ کی محرابی نشست گاہ کا نشان موجود تھا۔ مگر اب وہ جگہ زمین دوز ہوگئی ہے۔ تعجب ہے کہ ان کا زمانہ بھی ایک ہی بتایا جاتا ہے اور پھر چلہ اعتکاف کا بھی اعتراف کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کسی نے بتایا ہے اس کو کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔ تاریخی واقعات کی چھان بین میں زیادہ جستجو نہیں کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ زنجانیؒ 997ء مطابق 387ھ یا اس سے چند سال پہلے یا پیچھے لاہور میں تشریف لائے تھے۔ اور ٹھیک اس دن انتقال فرما گئے تھے۔ جب حضرت داتا گنج بخشؒ نے لاہور میں قدم رکھا ہے۔

## لاہور میں مسجد کی تعمیر:

حضرت داتا صاحبؒ نے لاہور میں تشریف لا کر سب سے پہلے ایک مسجد تعمیر کرائی۔ چنانچہ موجودہ مسجد جو بعد میں از سر نو تعمیر ہوئی ہے۔ ان کے ادب واحترام اور یادگار کے طور پر اسی مسجد کی زمین پر تیار کی گئی ہے۔ یہ مسجد آپ نے اپنی گرہ سے تیار کرائی۔ (6) اور کون کہہ سکتا ہے کہ دیگر مزدوروں کے ساتھ آپ نے بھی کس خلوص، کس جوش اور کس شوق سے دیواریں چنی ہوں گی۔ چھت ڈالی ہوگی اور سر پر مٹی کی ٹوکریاں اٹھائی ہوں گی۔

آپ کی تشریف آوری سے پہلے گو ملک ہند میں اسلام کا زیادہ چرچا نہیں تھا تاہم مسلمان خواہ وہ غیر ملکی حاکم تھے۔ خواہ وہ لوگ جو ہندوستان میں مسلمان ہو گئے تھے، ضرور موجود تھے اور ان کے لیے مسجدیں بھی تھیں۔ لیکن یہ پہلی مسجد تھی جو ایک مسلمان ولی اللہ نے اپنے صرف سے اور اپنے ہاتھوں سے لاہور میں تعمیر کرائی۔ اس مسجد کی بنیاد 431ھ سمجھنی چاہیے۔ کیونکہ آپ نے لاہور آتے ہی کچھ دنوں کے قیام کے بعد اس کی ضرورت محسوس کی تھی۔

## حضرت کی مسجد کے متعلق ایک واقعہ:

شہزادہ داراشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں (7) کہ جب حضرت نے یہ مسجد بنائی تو اور مسجدوں کی نسبت اس کے قبلہ کا رخ ذرا سا جنوبی سمت میں تھا۔ علماء لاہور نے اس پر اعتراض کیا۔ حضرت اعتراض سن کر خاموش ہو رہے۔ جب تعمیر مسجد سے فراغت پائی تو آپ نے کل علماء وفضلاء کو بلایا (8) اور خود امام بن کر اس میں نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد تمام حضرات سے فرمایا کہ تم لوگ اس مسجد کے قبلہ پر اعتراض کرتے تھے۔ اب دیکھو قبلہ کس طرف ہے۔ جب انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو

یکبارگی قبلہ بالمشافہ بچشم ظاہر نظر آیا۔ حضرت نے فرمایا۔ بتاؤ: قبلہ کدھر ہے؟ قبلہ کو سیدھے رُخ پر دیکھ کر سب معترضین نادم ہوئے اور آپ سے معذرت چاہی۔

یہ پہلی کرامت تھی جو لاہور میں آپ سے ظاہر ہوئی اور جس نے فوراً ہی سارے شہر میں آپ کو مشہور کر دیا اور رفتہ رفتہ تمام ہندوستان میں حضرت "قطب الاقطاب" مشہور ہو گئے۔

## پہلا شخص جو حضرت کے ہاتھ پر مسلمان ہوا:

تاریخ لاہور اور دیگر کتب میں جو لاہور کے حالات یا حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے سوانح حیات کے متعلق ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت کے دم قدم سے اہل پنجاب اور بالخصوص اہل لاہور کو بہت سے روحانی فیوضات نصیب ہوئے اور سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کو آپ کے اخلاق حسنہ اور کلام پر تاثیر سے اسلام کی لازوال نعمت میسر ہوئی۔

آپ کی زندگی اور آپ کے کلام اور کام نے وہ اثر کیا جو تیر و تفنگ، تیغ و تبر اور توپ و بندوق سے بھی ناممکن تھا۔ لوگ جوق در جوق حلقہ اسلام میں داخل ہوتے تھے اور اس مظہر نور خدا، عارفوں کے پیر کامل اور کاملوں کے راہنما کی توجہ سے تاریکی سے روشنی، جہالت سے شائستگی، بے علمی سے علم اور کفر سے اسلام میں آتے تھے۔

ان ہزارہا بندگان خدا میں سے سب سے پہلے جو شخص مسلمان ہوا وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا، بلکہ سلطان مودود والی کابل وغزنی کی طرف سے ولایت پنجاب کا نائب حاکم تھا۔ تحقیقات چشتی اور دیگر کتب میں اس کا نام رائے راجو لکھا ہے۔

چنانچہ تحقیقات چشتی کی اصل عبارت درج ذیل ہے:

"رائے راجو حاکم پنجاب کا نائب تھا، وہ حضرت کا مرید ہو کر مسلمان ہو گیا"۔

چونکہ یہ پہلا ہندو بلکہ پہلا ہندوستانی جو حضرت داتا صاحبؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اس لیے حضرت نے اپنی دلی خواہش سے بطور یادگار اس کا نام "شیخ ہندیؒ" رکھا اور موجودہ مجاور اور خدام جن کا تعلق آپ کے روضہ مبارک کی آمدنی سے ہے۔ اسی شیخ ہندیؒ کی اولاد سے ہیں۔ جیسا کہ اپنے موقع پر اس کا ذکر آئے گا۔

حضرت علی مخدومؒ کس قسم کا لباس پہنتے تھے؟

لباس کے متعلق حضرت نے بہت طویل بحث کی ہے۔ پشم کا پہننا بڑے بڑے بزرگوں سے ثابت کیا ہے۔ مگر اپنے زمانہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ آج کل اس کا رواج ان وجوہات سے کم ہو رہا ہے:

1۔ اس وجہ سے کہ پشمیں مشکوک ہیں۔ چار پائے مختلف جگہوں اور لوٹ گھسوٹ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ میں جا رہے ہیں اور جائز و ناجائز کی تمیز نہیں رہی۔

2۔ یہ کہ بدعتیوں اور ظاہر پرستوں کے ایک گروہ نے پشم کے جامہ کو اپنا لباس بنا لیا ہے اور بدعتیوں کے طریق کے خواہ وہ سنت ہی کیوں نہ ہو خلاف کرنا مناسب ہے۔

3۔ مرقع کی سلائی میں سادگی ہوتی تھی۔ درویش خود سیتے تھے یا کم سے کم چیتھڑے اور پیوندے لگاتے تھے۔ مگر اب سلائی میں تکلف سے کام لیا جاتا ہے اور گودڑی کو ایک خاص زینت قرار دے دیا ہے۔

4۔ صوفیوں کو ان لوگوں سے جو ان کو بدنام کرنے اور ان کے لباس کو باوجود اس کے نااہل ہونے کے اپنا لباس بنا رہے ہیں، رنج پہنچتا ہے۔ (9)

لیکن ایک گروہ صوفیوں میں ایسا بھی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے ان کو گودڑی دی تو گودڑی پہن لی اور اگر قبا مل گئی تو وہی پہن لی۔ اس کی مثال میں لکھتے ہیں:

"ابو حامد دوستان مروزیؒ (10) ایک بزرگ ہوئے ہیں۔ مرید جوان کو پہنا دیتے تھے، پہن لیتے تھے اور جب وہ حالت وجد میں آیا کرتے تو اتار کر بطور تبرک اپنے پاس رکھ لیا کرتے اور پھر اور کپڑے پہنا دیا کرتے تھے، نہ وہ پہنانے والے سے پوچھتے کہ تو نے کیوں پہنائے اور نہ اتارنے والے سے پوچھتے کہ تو نے کیوں اتارے۔ پھر ابو سعید ہجویریؒ (11) کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ اس وقت غزنی میں بھی ایک پیر صاحب کرامت موجود ہے۔ خدا تعالیٰ اس کو تا دیر سلامت رکھے۔ اس کا نام مؤید ہے۔ ابو حامد دوستانؒ کی طرح اس کو بھی اپنے لباس پر قبضہ و اختیار نہیں ہے۔ میں بھی اسی طریق کو پسند کرتا ہوں۔ یعنی اگر گودڑی مل جاتی ہے تو وہی پہن لیتا ہوں۔ قباء مل جائے تو اس سے بھی انکار نہیں۔ ریشم کا جامہ اور سفید پیراہن بھی پہن لیتا ہوں۔ گو سفید میں دھونے کی تکلیف ضرور ہے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کسی خاص لباس کے پابند نہیں تھے، جو مل جاتا اور جو میسر آتا وہ پہن لیا کرتے تھے۔ مگر ایسے لباس سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے، جس سے زینت پائی جاتی ہو اور جو محض نمائش کے لئے ہو۔

چنانچہ کشف المحجوب میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "میں جن دنوں خراسان میں ایک مقصد کے حل کرنے کے لئے پھر رہا تھا، میں نے بطور سنت ایک سخت (کپڑے کی) گودڑی پہنی ہوئی تھی، ایک عصاء میرے ہاتھ میں تھا اور چمڑے کا لوٹا میری ظاہری کائنات تھی۔

لاہور میں حضرت مخدوم علی ہجویریؒ کی درس گاہ:

گذشتہ زمانے میں کوئی مسجد نہ ایسی بنائی جاتی تھی جس میں طالب علموں کے رہنے کی جگہ اور ان کے پڑھنے کے سامان کا پہلے ہی فکر نہ کر لیا جاتا ہو۔ یہاں تک کہ اسی لحاظ سے

سب ایک ہی معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ یعنی ازمنہ سلف میں خانقاہوں میں بھی درس کی جگہ رکھ لی جاتی تھی۔ جب آپ نے لاہور میں مسجد بنائی تو معلوم ہوتا ہے کہ یا تو مسجد کی درسگاہ میں لوگوں کو علم دین پڑھانا شروع کیا یا الگ کسی درسگاہ میں معلّمی اختیار کرلی۔ چنانچہ کشف الاسرار میں لکھتے ہیں کہ "جب میں ہندوستان میں پہنچا اور نواح لاہور کو جنت نظیر پایا تو یہیں بیٹھ گیا اور لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا لیکن جب مجھے معلوم ہوا کہ اس طرح سے حکومت کی بو دماغ میں پیدا ہو رہی ہے تو میں نے لوگوں کو درس دینا بھی چھوڑ دیا"۔

معلّمی چھوڑنے کی ایک یہ روایت بھی کتابوں کے حوالے سے نہیں بلکہ سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے کہ دو طالب علم تھے آپ نے خفا ہو کر نگاہ گرم سے ان کو دیکھا۔ وہ وہیں ڈھیر ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد آپ نے یہ کام بھی چھوڑ دیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

## حضرت علی ہجویریؒ اور شیخ حسام الدین لاہوریؒ:

حضرت مخدوم ہجویریؒ نے کشف الاسرار میں شیخ حسام الدین لاہوریؒ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "میں نے حسام الدین لاہوریؒ سے سنا ہے کہ اگر کوئی شخص ماں باپ کی قبر کو سجدہ کرے تو کافر نہیں ہوتا اور اگر کسی مشکل وقت میں ماں باپ کی قبر پر جا کر دعا کرے تو خدا اس کی مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ بھی ماں باپ کے ادب کے متعلق فرماتے ہیں کہ ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ تفاسیر قرآن میں بھی آیا ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ شیخ حسام الدین کی بہت عزت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

"وہ ایک نیک طینت بزرگ تھا جس نے 78 برس کی عمر پائی تھی۔ آپ

جب حالت نزع میں شیخ کے پاس پہنچے تو شیخ نے کہا، میری جان! میرے خاتمہ بالخیر کی دعا کر۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس کے آخری سانس میں اس کے منہ پر کان دھرا تو وہ کہہ رہا تھا: "اللھم انت ربی وانا عبدك" (الٰہی تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں) جب حضرت نے شیخ سے کہا کہ میرے لیے بھی کچھ دعا کیجئے تو فرمایا۔ اے علی ہجویریؒ: کسی کو رنجیدہ نہ کر۔ کوشش کرتے رہو کہ ہر کوئی تجھ سے خوش رہے۔ جہاں تک ہو سکے احسان کر۔ مگر بااین ہمہ کسی کو اپنا دوست نہ سمجھ اور اپنے علم کو برباد نہ کر۔ مال اور اولاد کو فتنہ سمجھتا رہ۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے کہ "انما اموالکم واولادکم فتنة" (12) (یعنی مال اور اولاد تمہارے لیے فتنہ ہیں)۔ میری طرف دیکھ کہ میری جانکنی کا وقت ہے۔ کوئی بیٹا اور کوئی رشتہ دار اس وقت میری مدد نہیں کر سکتا۔ جو کچھ میں نے کیا ہے وہی میرے سامنے ہے اور وہی میرے آگے آئے گا"۔

حضرت علی مخدوم ہجویریؒ جیسے کامل بزرگ اور ولی اللہ جس کی بزرگی کے قائل ہوں۔ افسوس ہے اس کے حالات پر تاریکی پڑی ہوئی ہے۔ شیخ حسام الدینؒ کی بزرگی اور کمالیت میں جن سے حضرت داتا گنج بخشؒ بھی جو بزرگوں کے بزرگ اور ولیوں کے ولی ہیں، دعا کے طالب ہوں کیا شک ہو سکتا ہے، یہ جواہر لاہور کی مٹی کھا جائے۔ معمولی لوگوں کی قبریں اپنے نشانات ظاہر کریں اور یہ اللہ کا بندہ جو دم نزع تک اللہ ہی اللہ کہتا رہا اور جس کے سرہانے حضرت داتا گنج بخش صاحب برکت لینے کے لیے کھڑے رہے۔ اس کی قبر کا نشان تو کجا؟ اس کے اپنے نام سے بھی کسی کو خبر نہ ہو، افسوس!

تفو بر تو اے چرخِ گردوں تفو

لاہور کی کئی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ کسی نے شیخ حسام الدینؒ یا ان کے خاندان

پر روشنی نہیں ڈالی۔ معلوم نہیں اب لاہور میں ان کا کوئی نام لیوا بھی ہے یا نہیں؟

### لاہور کے ایک سوداگر کا واقعہ:

حضرت نے کشف الاسرار میں ایک جگہ دنیا کو سراسر درد والم کی جگہ قرار دیا ہے۔ عورت کو بے وفا بتایا ہے۔ لاڈلی اولاد کے نقصانات بتائے ہیں اور صبر نہ کرنے اور قسمت سے زیادہ حاصل کرنے کے لئے دھوڑ دھوپ کرنے پر افسوس ظاہر کیا ہے اور اس کی مثال میں لاہور کا یہ چشم دید واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

لاہور میں ایک سوداگر تھا کریم اللہ نام۔ مال و دولت اس کے پاس بافراط تھا اس کے گھر لڑکا پیدا ہوا۔ امام بخش نام رکھا۔ بڑے جشن کئے۔ بہت خوشی منائی، اسی دن خبر آئی کہ جس کارواں میں اس کا مال تھا، اس پر ڈاکہ پڑا ہے۔ تھوڑے عرصے کے بعد ایک اور کارواں کے لٹنے کی خبر آئی اور لڑکا بھی ناز و نعمت سے پرورش پا رہا تھا، غرض بے چارا تنگ ہو کر خود باہر نکلا۔ مگر ناکام واپس آیا۔ لڑکے کو مکتب میں بٹھایا۔ جب صاحبزادے نے استاد کی داڑھی کھینچنی چاہی تو اس نے جواب دے دیا۔ یہاں تک کہ وہ لڑکا رفتہ رفتہ آوارہ ہو گیا۔ گھر کی چیزیں بکنے لگیں۔ گھر کی چکی سوداگر کی عورت نے بازار میں چار درموں کو بیچی اور آخر خاوند سے منہ موڑ کر بے وفا ہو گئی۔ اور یکے بعد دیگرے تینوں دردناک موت سے مر گئے۔ آخر میں فرماتے ہیں:

> "تقدیر الٰہی ایسی ہی تھی، کسی کو دم مارنے کی طاقت نہیں کہ وہ مالک ہے اور ہم بندے ہیں"۔

### لاہور میں حضرت کا مباحثہ فناء اور بقاء پر:

لاہور میں حضرت نے ایک مباحثہ بھی بقاء اور فناء کے مسئلہ پر کیا ہے۔ کشف المحجوب میں اس کی طرف اشارہ ہے حضرت نے گو لاہور کا نام نہیں لکھا کہ ضرور

وہاں ہی مباحثہ ہوا ہے مگر پنجاب میں ان کا قیام چونکہ لاہور ہی میں رہا ہے اس لئے یہ مباحثہ بھی لاہور ہی میں ہوا ہوگا۔ حضرت کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"ہندوستان میں میں نے ایک مرد کو دیکھا جو تفسیر اور تذکیر اور علم کا مدعی تھا (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس سے مباحثہ ہوا ہے وہ مسلمان تھا) فناء اور بقاء میں اس نے مجھ سے مباحثہ کیا۔ لیکن جب میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ فناء اور بقاء کے اصولوں سے قطعی ناواقف ہے اور محدث سے قدیم کا فرق بھی نہیں پہچان سکتا۔(13)

## حضرت کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت:

حضرت داتا گنج بخشؒ کو ممکن ہے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کئی مرتبہ زیارت ہوئی ہو۔ کیونکہ یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے پانچویں صدی ہجری کے وسط میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ہندوستان کے ملک میں جہاں اس وقت بت و بت خانوں کا زور تھا، نئے سرے سے جاری کیا اور جن کے فیض صحبت سے ہزارہا لوگ اسلام سے مشرف ہوئے۔ آپ کشف المحجوب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ عرض کی۔ یارسول اللہ! کچھ وصیت فرمایئے۔ فرمایا، اپنے حواس کو (خدا کی محبت میں) مقید کرو۔ کیونکہ حواس کو بند کرنا پورا مجاہدہ ہوتا ہے اور تمام قسم کے علوم واحساسات انہی پانچ دروازوں سے حاصل ہوتے ہیں"۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ سماع کے قائل تھے:

سماع کے متعلق بھی علماء وصوفیاء میں اختلاف ہے اور اب تک چلا آتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے کشف المحجوب میں مختلف صوفیاء کے اقوال نقل کیے ہیں۔ لیکن نتیجہ سب کا یہی ہے کہ ہر ایک اس کا اہل نہیں ہے۔ اس کا ظاہر فتنہ ہے اور باطن عبرت۔ حلال کے لیے حلال ہے۔ حرام کے لیے حرام۔ یعنی اگر دل میں حق کا خیال ہے تو سماع اس کو حق رسانی ہی کے لیے برانگیختہ کرے گا اور اگر وہ اس سے محض نفس ہی کو خوش رکھنا چاہتا ہے اور طلب باطل رکھتا ہے تو اس کی طبعیت میں فساد پیدا ہوگا اور وہ خطاء کھائے گا۔

سماع کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع ہوتی ہے اور جن کے نام کے لحاظ سے لحن داؤدی کا خطاب آج بھی ہر ایک خوش آواز کو دیا جاتا ہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خوش آوازی کی نعمت دی تھی۔ پہاڑ اور جنگل کے وحشی پرندے سنتے تھے اور لوٹتے تھے۔ اس سے سمجھ لو کہ انسانوں کا کیا حال تھا۔

حضرت داتا صاحبؒ کے پیر طریقت شیخ ابوالفضل ختلیؒ سماع کے قائل تو تھے مگر یہ کہتے تھے کہ یہ ان کا توشہ ہے جو ابھی درمیانی منزل میں ہوں۔ جو منزل رسیدہ ہوں ان کو سماع کی حاجت نہیں۔ (14)

حضرت داتا گنج بخشؒ خود بھی سماع کے قائل تھے اور سماع کیا کرتے تھے اور حالت وجد میں آیا کرتے تھے۔ مگر اس بات کو وہ عام کرنا نہیں چاہتے تھے کیونکہ ہر کس و ناکس کو وہ اس کا اہل نہیں سمجھتے تھے۔ اسی لیے جب ایک بزرگ صوفی نے ان سے کہا کہ میں نے سماع کے مباح ہونے پر کتاب لکھی ہے تو فرمایا: بڑا ظلم کیا۔ اس سے دین میں بہت خرابی پیدا ہوگی۔ ایک کھیل کو جو گناہوں کا اصل ہے حلال کر دیا ہے۔ اس نے کہا۔ پھر تو خود کیوں سماع کرتا ہے، فرمایا۔ سماع کے لیے طبیعتوں میں مختلف حکم

ہیں۔ جیسے کہ دلوں میں ارادے مختلف ہیں۔ اگر دل میں حلال کی تاثیر ہے تو سماع حلال ہے اور اگر حرام کی تاثیر ہے تو حرام ہے اور اگر مباح کی تاثیر ہے تو مباح ہے۔(15)

## سماع سے حضرت داتا گنج بخشؒ کی توبہ:

جیسا کہ لکھا جا چکا ہے، حضرت سماع کے قائل تھے۔ لیکن ملک میں بعض اہل لہو ولعب سماع کے پردے میں اپنی عیش وعشرت کے سامان مہیا کر کے ایک آفت پیدا کر رہے تھے جس سے شریعت میں خلل اندازی ہو رہی تھی۔ اس لئے آپ نے ملک کو اس آفت سے بچانے کے لئے علی الاعلان فرمایا:

"میں عثمان جلابی کا بیٹا علی اس کو زیادہ دوست رکھتا ہوں جو سماع میں نہ پڑے اور طبیعت کو پریشان نہ کرے۔ کیونکہ (نادانوں اور ظاہر بینوں کے لیے) اس میں بڑے خطرے ہیں اور بڑی آفت یہ ہے کہ عورتیں کسی اونچے مقام سے سماع کے حال میں درویشوں کو دیکھتی ہیں اور نوجوان اور نوخواستہ (بے ریش و بروت اور خام طبع لڑکے) ان مجلسوں میں شامل ہوتے ہیں جس سے خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اس آفت سے (چونکہ آپ سماع کی مجلسوں میں شریک رہے تھے اور سماع کے قائل رہے تھے) جو کچھ مجھ پر گزرا ہے، گزرا ہے (آئندہ کے لیے) استغفار پڑھتا ہوں اور خداوند تعالیٰ سے مدد مانگتا ہوں کہ میرے ظاہر اور باطن کو آفتوں سے نگاہ رکھے"۔(16)

اس واقعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ آپ کو شریعت سے کس قدر محبت تھی کہ محض اس میں رخنہ پڑتے دیکھ کر باوجود اہل ہونے کے سماع سے کنارہ

کشی کرلی۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ کا خطاب اپنے مریدوں سے:

حضرت داتا گنج بخشؒ نے اپنے مریدوں کو بہت ہدائتیں اور نصیحتیں کی ہیں۔ کہیں ان کو دل کا ٹکڑا فرمایا ہے، کہیں ان کو بادشاہ وقت کی تعریف کی ہدایت کی ہے اور کہیں اس سے کنارہ کشی کی۔ غرض مرید کا ظاہر و باطن درست کرنے کے لیے جو لاجواب خیالات آپ نے تحریر فرمائے ہیں وہ ن صرف آپ کے مریدوں بلکہ ہر طالب حق کے لئے حرزِ جان ہونے چاہیں۔ فرماتے ہیں:

"اے میرے مرید! دنیا پانی پر کشتی کی مانند تیر رہی ہے۔ یا مثل برینہ کے ہے پس تو غوطہ خور بن، نہ کہ غرق آب ہو، کسی کا دل تجھ سے رنجیدہ نہ ہو۔ بادشاہ دین پناہ جو زور و ظلم کے اکھاڑنے اور رعیت کے نفع و ضرر کا جاننے والا ہو اس کی تعریف کر۔ لیکن اس کی مداحی کسی دنیاوی غرض کے لئے نہ ہو، خوب یاد رکھ! کہ طمع میں خواری ہے۔ مرشد کو اپنا قبلہ جان اور جان و دل سے اس کی خدمت کرتا رہ۔

اے میرے مرید! تو میرے دل کا ٹکڑا ہے۔ کیونکہ تو نیک بخت ہے۔ اپنے وقت کو ہمیشہ پیدا کرنے والے کی یاد میں بسر کر، سختی اور محنت سے نہ گھبرا کہ یہی جوانمردی کی نشانی ہے۔ تجرید (یعنی مجرد رہنا) ایک انمول چیز ہے (اگر تو برداشت کر سکے)۔ درود شریف کو اپنا وظیفہ بنا کہ درود شریف کے بعد جو دعا مانگی جائے، وہ قبول ہو جاتی ہے، یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھ کہ اس کا بڑا اجر ہے، فرض کی رکعتیں جماعت کے ساتھ پڑھنی چاہیں۔

اے میرے مرید! میں نے بہت دنیا دیکھی ہے، خدا سے اولاد نیک مانگنی چاہیے بلکہ اگر اپنے آپ میں قوت استقامت پائی جائے اور اس بات پر اعتماد ہو کہ میں سلامت رہوں گا تو عورت ہی نہ کرنی چاہیے۔ عورت ایک بُری بلا اور بڑا عذاب ہے۔

اے میرے مرید! علم پڑھ، علم سیکھ اور پھر عمل کر۔

اے میرے مرید! ماں باپ کے ادب سے خداوند تعالیٰ صدر جنت میں جگہ دے گا۔

اے میرے مرید! جو کچھ اللہ تعالیٰ عنایت کرے اس پر راضی رہ، اگر جنگل رہنے کو دے تو وہیں رہ۔ اگر آبادی عطا فرمائے تو اسی میں خوشی سے گزارہ کر۔ وطن میں رکھے تو وہیں رہ، غربت نصیب کرے تو اسی پر جم جا۔ اگر گدڑی دے تو پہن لے اور اگر قاقم دے تو اس سے بھی انکار نہ کر۔ گدھا دے تو سوار ہو جا، گھوڑا دے تو اسے بھی دُور نہ کر۔ غرض جو کچھ دے بخوشی لے اور اگر کچھ بھی نہ دے تو صبر کر۔ صبر عجیب چیز ہے"۔

## حضرتؒ علی ہجویریؒ کو داتا گنج بخش کا لقب:

تحقیقات چشتی اور بعض اور کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گنج بخشؒ کا لفظ جو آپ کے نام کے ساتھ ایزاد ہو گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ معین الدین صاحبؒ چشتی سنجری یہاں کچھ عرصہ مصروف عبادت و اعتکاف رہ کر ہندوستان کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے حضرت کے پائنتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہو کر یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نورِ خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

اسی وقت سے آپ کا نام گنج بخش مشہور ہوگیا۔ جو ابدالآباد تک جاری رہے گا۔ مگر جب حضرت کی اپنی تحریر، کتاب کشف الاسرار میں دیکھی جاتی ہے تو مندرجہ بالا خیال ذہن سے فوراً منتقل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ کتاب بتاتی ہے کہ حضرت کی زندگی ہی میں حضرت کا نام گنج بخش مشہور ہو گیا تھا۔ جیسا کہ حضرت خود کشف الاسرار میں اپنے آپ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

"اے علی! تجھے خلقت گنج بخش کہتی ہے اور (عجیب لطف ہے کہ) تو ایک دانہ بھی اپنے پاس نہیں رکھتا۔ اس بات کا کہ (مخلوق تجھے گنج بخش کہتی ہے) کبھی خیال تک بھی نہ لا۔ ورنہ محض دعویٰ اور غرور ہوگا۔ گنج بخش یعنی خزانے بخشنے پر قادر تو صرف اسی کی ایک ذات ہے، جو بیچون و بے چگون اور بے شک وشبہ مالک الملک ہے۔ اس کے ساتھ شرک نہ کر بیٹھنا ورنہ زندگی تباہ ہو جائے گی۔ بے شک وہی اکیلا خدا ہے جس کا کوئی شریک نہیں"۔

مندرجہ عنوان اقتباس سے دو نتیجے اخذ کئے جاسکتے ہیں:

1۔ یہ کہ ان کی زندگی ہی میں لوگ ان کو گنج بخش کہتے تھے البتہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے شعر پڑھنے سے اس لفظ کی زیادہ شہرت ہوگئی۔

2۔ یہ کہ حضرت داتا گنج بخشؒ چونکہ توحید ہی کی اشاعت کے لئے وطن سے باہر نکلے تھے اور وہ ایسے الفاظ اپنے نام کے ساتھ سننے پسند نہ کرتے تھے جو شرک کی حد تک پہنچتے یا جن سے غرور اور تکبر کا احتمال ہوتا۔ اس لئے انہوں نے بار بار گنج کے قابل صرف خداتعالیٰ کی ذات ہی کو قرار دیا ہے تاکہ جہلاء اور عوام کسی بدعت میں نہ پڑ جائیں۔

یہ امر کہ گنج بخش کا لفظ پہلے کس کی زبان سے نکلا، کب نکلا اور اس کی وجہ

کیا ہے؟ ان سے پہلی دو باتوں پر تو پردہ پڑا ہوا ہے۔ تیسری بات کہ آپ کو گنج بخش کیوں کہا جاتا ہے؟ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ لوگوں کو آپ کی ذات سے ظاہری و باطنی فیوضات بے حد و حساب پہنچ رہے تھے اور یہ کہ آپ کی ذات مبارک سراسر چشمہ رحمت تھی اور اس سے ہزاروں اور لاکھوں پیاسے سیراب ہوتے تھے۔

O

# حواشی

1۔ جہاں اب موضع کھوئی میراں ہے۔ وہاں سابقہ زمانہ میں درندے اور خوف ناک جانور رہتے تھے۔ یہ جگہ عین برلب دریائے راوی تھی۔ یہاں سکھوں کے زمانہ میں اکثر ڈاکہ زنی بھی ہوا کرتی تھی۔ جب لاہور تین حاکموں کے ماتحت تھا تو لہنا سنگھ حاکم کے حکم سے اس جگہ کو آباد کرنے کے لئے 1800 بکرم میں (یعنی آج 1971 بکرم سے 171 سال پیشتر) یہاں چاردیواری کرائی گئی اور ابتدائی دو سال کا مالیہ زمینداروں کو معاف کیا گیا۔ موضع کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ میر صاحبؒ گھوڑے شاہؒ کے مریدوں میں سے تھے (جن کا مزار متصل باغ راجہ دینا ناتھ میں ہے) انہوں نے یہاں ایک کھوہی (چاہ خورد) بنوائی تھی۔ چاردیواری اور آبادی اور رونق ہونے پر موضع کا یہی نام رکھا گیا۔ اس کھوہی پر اب تک چڑھاوا چڑھتا ہے۔ یہ موضع لاہور سے بجانب مشرق ایک کوس کے فاصلہ پر ہے اور خوب آباد ہے۔

2۔ یہ بزرگ شاہ حسین زنجانیؒ کے ہمراہ ہی آئے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں لوگوں کو تعلیم و تلقین کی۔ پنجاب میں اسلام ایسے ہی بزرگان دین کے اخلاق حسنہ سے اشاعت پذیر ہوا۔ آپ کے زمانہ تشریف آوری کو ساڑھے نوسو (950) سال کا عرصہ گزر چکا ہے اس طویل مدت میں لاہور اور ہندوستان میں ہزاروں انقلاب آئے۔ سینکڑوں مختلف خاندانوں اور مختلف نسلوں کے بادشاہ ہوگزرے۔ جن کی نوبت و نکارے گونجتے رہتے تھے۔ لیکن آج سوائے اس دین کے خادم کے جو محض توحید الہیٰ اور رسالت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منادی کے لیے گھر سے باہر نکلا تھا کسی کا نام ونشان بھی کوئی نہیں جانتا۔

تاریخ لاہور، رائے گھنیالال تحقیقات چشتی، سفینۃ الاولیاء اور خزینۃ الاصفیاء میں آپ کے حالات و مزار کا مفصل ذکر ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقبرہ آپ کا نہایت عالی شان تھا اور چبوترہ کلاں سے جانب مغرب جو مسجد واقع ہے، وہ بھی شاندار تھی۔ تحقیقات چشتی میں جس کی تصنیف کو پچاس ساٹھ سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ اس عمارت کی بہت تفصیل لکھی ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والی پنجاب اس مکان کی خبر گیری بھی کیا کرتے اور کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔ احاطہ مزار کے باہر ایک طویل قبرستان تھا جس میں کئی مسجدیں بھی موجود تھیں۔ یہاں تک کہ سکھوں کے زمانے میں بھی اس کی حد دور دراز تک تھی۔ سب سے پہلے لالہ رتن چند داڑھی والا نے قبرستان کا بہت سا حصہ اپنی سرائے اور تالاب میں شامل کرلیا۔ پھر بہت سی زمین ہسپتال میں لے لی گئی۔

اب زنانہ ہسپتال کی متصل گلی سے ہوکر اس مزار پر جانا پڑتا ہے اور شاہراہ عام سے یہ مزار بالکل

الگ ہوگیا ہے۔ اردگرد سب عمارتیں ہوگئی ہیں۔ اسی لیے اب چنداں رونق بھی نہیں ہوتی۔ سالانہ عرس البتہ ساڑھے نوسو سال سے برابر چلا آتا ہے۔ ہر جمعرات کو چراغ جلا دیا جاتا ہے۔ راقم سطور ہذا خود اس مزار پر حاضر ہوا۔ چبوترہ مزار پر جو لکڑی کا کٹہرا ہے، وہ بہت شکستہ ہے۔ اسی چبوترہ پر پانچ قبریں ہیں جو بڑی قبر ہے اور ذرا اونچی ہے وہ آپ کی ہے اور باقی چاروں قبروں کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آپ کے دو بھتیجوں اور ایک والدہ کی ہے۔ دروازہ مزار پر میناکاری کے کام کے اب بھی نشانات پائے جاتے ہیں۔ بلکہ صدر دروازے پر برنگ کانسی طاق سفید میں اللہ اکبر، ابوبکرؓ، عثمانؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ، حسینؓ اور دونوں طرف بخط ثلث "یافتاح" سبز رنگ کانسی کا لکھا ہوا ہے۔

تحقیقات چشتی سے معلوم ہوتا ہے کہ "یا وھاب" بھی لکھا ہوا تھا۔ مگر بخوبی پڑھا نہیں جاتا، لیکن اب تو ان حرفوں کا وہاں نشان بھی نہیں ہے۔ احاطہ مزار کے بعد جہاں مصنف تحقیقات چشتی نے کئی قبروں اور کئی مسجدوں اور ایک پختہ طویل چبوترہ کا پتہ دیا ہے۔ اب کوئی نشان کسی قبر یا مسجد یا چبوترہ کا نظر نہیں آتا۔ البتہ اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ ؎

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے
کہے دیتی ہے شوخی نقش پاء کی

احاطہ میں ایک اور چبوترہ ہے جس پر تحقیقات چشتی کے زمانہ تک تو قبریں تھیں اور دو درخت ایک کیکر، ایک گوندی، مگر اب وہاں گیارہ قبریں ہیں اور صرف دو ون یا کریر کے درخت ہیں۔ مسجد کی حالت بھی افسوسناک ہے۔ جس کے تین محراب ہیں۔ چھت پر مٹے ہوئے نشانات دیکھنے سے پایا جاتا ہے کہ ضرور یہ مسجد شاندار ہوگی۔ مجاروں کے مکانات بھی احاطہ مزار کے باہر موجود ہیں جس کی تعداد دس بارہ بتائی گئی ہے۔ آج سے پچاس سال پہلے صرف چار گھر تھے۔ شاہ حسین زنجانی اور حضرت صدر دیوانؒ کا سجادہ نشین ایک ہی خاندان ہے اور وہ صدر دیوانؒ کے احاطہ میں ہی رہا کرتا ہے یہاں سکھوں کے زمانہ میں سبزی منڈی کی وجہ سے بھی بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔

3۔ اس بزرگ کے حالات افسوس ہے نہیں مل سکے اور نہ آپ کا مزار معلوم ہو سکا ہے کہ کس جگہ واقع ہے۔

4۔ حضرت امام علی الحق رحمۃ اللہ علیہ کا مزار سیالکوٹ میں مرجع خاص و عام ہے۔ "تاریخ سیالکوٹ" مطبوعہ مطبع صمدی سیالکوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام علی الحق راجہ سہیپال والئی سیالکوٹ اور فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے عہد حکومت میں سیالکوٹ تشریف لائے تھے اور راجہ کے ساتھ لڑائی کرتے ہوئے سیالکوٹ کو فتح کرنے کے بعد 707ھ میں شہید ہوگئے تھے۔ اس تاریخ میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ فیروز

شاہ کی فوج میں تعینات اور بادشاہ کے مزاج پر حاوی تھے۔ شاہ حسین زنجانیؒ اور سید یعقوب زنجانیؒ اور امام علی الحقؒ اور حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کا ہم جلیس و ہم صحبت رہنا تاریخی واقعات سے تو قطعی غلط ہے۔ البتہ باطن میں روحانی طور پر ان کی ملاقاتیں ہوتی رہتی ہوں تو تعجب نہیں ہے۔

5۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی پیدائش 537ھ کی ہے۔ 580ھ کے قریب وہ لاہور آئے ہیں۔ آپ کی وفات 633ھ میں ہوئی ہے۔ اس لیے غلط ہے کہ آپ شاہ حسین زنجانیؒ اور حضرت صدر دیوانؒ کی صحبتوں میں رہے ہیں بلکہ آپ تو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر ان کی وفات کے قریباً 115 سال کے بعد آئے تھے۔

6۔ اصل عبارت حسب ذیل ہے: "مسجد یکہ خود ساختہ بودند محراب آں نسبت بمساجد دیگر مائل بہ سمت جنوب است، گویند علماء آنوقت بر شیخ دریں باب اعتراض کردند۔ روزے ہمہ را جمع نمودہ خود امام شدہ در آں مسجد نماز گزاردند۔ و بعد از نماز بحاضراں گفتند کہ نگاہ کنید کہ کعبہ بکرام سمت است۔ حجابہا از میان برخاست و کعبہ حجازی نمود"۔

7۔ شہزادہ داراشکوہ اورنگ زیب عالمگیر کا بھائی اور شاہ جہاں صاحبِ قرآن کا سب سے بڑا بیٹا تھا۔ اپنے چھوٹے بھائی عالمگیر کے ہاتھوں شہید ہوا۔ بڑا فقیر دوست تھا۔ کئی کتابیں تصوف اور سلوک کی اس کی تصنیف سے ہیں۔ ہندو اور مسلمان فقراء کا بڑا ادب کرتا تھا۔ حضرت ملا شاہؒ کا مرید تھا جن کو حضرت میاں میرؒ سے عقیدت مندی تھی۔ پنجاب چونکہ داراشکوہ کی جاگیر میں تھا۔ اس لیئے لاہور میں وہ بہت مدت رہا اور لاہور کی اس نے بہت تعریف کی ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھتا ہے "لاہور ایک بہت بڑا متبرک شہر ہے۔ چاروانگ عالم کا تحفہ یہاں مل سکتا ہے۔ اولیاء، صلحاء اور علماء و فضلاء کا یہ مجمع ہے۔ مزارات متبرکہ یہاں بہت ہیں۔ اور آدمی یہاں کے صحیح القول ہیں۔ حفاظ (قرآن شریف کے حافظوں) کے محلے یہاں بہت ہیں۔ محلہ طلائی میں کہ اس شہر کا ایک محلہ ہے۔ تیس ہزار حافظوں (عورت، مرد، بچوں، بوڑھوں) نے وباء کے دنوں میں قرآن شریف کی تلاوت کی تھی"۔ جہاں اب لنڈا بازار میں میاں محمد سلطان کا باغ، کنواں اور ریلوے کا ٹیکنیکل سکول ہے، وہاں اس کے محلات تھے اور اس علاقہ کا نام چوک داراشکوہ تھا، عمارتوں کی بنیادوں کے نشانات زمین کھودنے سے اب بھی مل سکتے ہیں۔

8۔ بعض نے لکھا ہے کہ بلا کر ضیافت کی۔

9۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص102۔

10۔ مروان ان کا وطن تھا اور یہیں رہا کرتے تھے۔ نفحات الانس میں ان کا ذکر ہے لیکن نہ تاریخ پیدائش

لکھی ہے اور نہ وفات۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ ابو حامد دوستان ایک رفیق کے ساتھ سفر میں تھے۔ ایک جگہ قیام کیا۔ آپ کے ہمراہی نے کہا، یہاں ٹھہرے رہو، میں شہر میں ایک امیر شخص سے مل کر واپس آتا ہوں۔ وہ گیا اور ابو حامد بیٹھ گئے۔ مگر جلدی واپس آنے کی بجائے کثرت برفباری کی وجہ سے صبح کو واپس آیا۔ دیکھا تو آپ اسی جگہ جہاں وہ بٹھا گیا تھا بیٹھے ہیں اور برف آپ پر پڑی ہوئی ہے۔ جب آپ شانے ہلاتے ہیں تو برف گر پڑتی ہے۔ اس نے تعجب سے پوچھا ابو حامد چھت کے نیچے کیوں نہ چلے گئے؟ کہا، تم نے کہا تھا یہیں بیٹھے رہو۔ میں اس وفا کو نبھا رہا ہوں۔ ایک مرتبہ آپ مرو میں کسی دوکان پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ماشکی سے پانی طلب کیا۔ جب پیالے میں پانی پینے لگے تو ایک مکھی بھی آ بیٹھی۔ آپ نے اس وقت تک جب تک کہ مکھی پانی پی کر نہ اڑ گئی، پانی نہ پیا۔ ماشکی نے کہا۔ شیخ پانی کیوں نہیں پیتے؟ فرمایا، مکھی کے پینے تک صبر و ایثار سے کام لے رہا ہوں۔ لوگوں نے پوچھا شیخ رعب داب کب جاتا رہتا ہے؟ فرمایا۔ جب محبت قدیم یعنی دیرپا ہو جائے۔

11۔ آپ کا ذکر اس کتاب میں اکثر جگہ آتا ہے۔ آپ حضرت کے ہمراہ غزنی سے لاہور آئے تھے۔

12۔ ایضاً، ص 15۔

13۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ کشف المحجوب غزنی میں نہیں بلکہ لاہور میں لکھی گئی ہے۔ غزنی کی تصنیف ہوتی تو اس میں ہندوستان کا ذکر نہ ہوتا۔

14۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص 657۔

15۔ ایضاً، ص 651-652۔

16۔ ایضاً، ص 682-683۔

# حضرت داتا گنج بخشؒ کا وعظ

## ایثار یعنی دوسرے کے فوائد کو اپنے فوائد پر مقدم سمجھنا

ایثار کے مسئلہ پر حضرت نے تفصیل سے بحث کی ہے اور چونکہ ملک میں ایثار یعنی دوسروں کے لیے اپنا نقصان برداشت کرنے اور غیر کی راحت کے لئے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنے کی بہت کمی ہے اور ضرورت ہے کہ اس کمی کو دور کیا جائے۔اس لئے ایثار کا ذکر ذرا تفصیل سے کیا جاتا ہے۔

سمجھ لینا چاہیے کہ ایثار کا مضمون ایک تقریر دلپذیر یا واعظ حسنہ ہے جو آج سے تقریباً نو سو برس پہلے حضرت داتا گنج بخشؒ نے اس امر کے متعلق کیا تھا کہ ہم اپنے دوسرے ہم جنسوں کے لئے کس طرح مفید ہو سکتے ہیں اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو کس طرح راحت پہنچا سکتے ہیں۔فرماتے ہیں:"ابی الحسن احمد نوری (1) اور رقام اور ابوحمزہ (2) ان لوگوں کے امام گزرے ہیں جو دوسروں کی مصلحتوں پر اپنی مصلحتوں کو قربان کر دیتے ہیں۔امیر المؤمنین کے ایک غلام خلیل نامی کی ان سے عداوت ہو گئی۔ اس نے رپورٹ کی کہ ان لوگوں سے دین میں خرابی پیدا ہو رہی ہے اور ان کے خیالات ملحدانہ ہیں۔اگر امیر المؤمنین ان کے قتل کا حکم دے دے تو بے دینوں کا اصل نیست و نابود ہو جائے۔ کیونکہ بے دینوں کے سب سے بڑے سردار یہی ہیں۔خلیفہ نے اسی وقت ان کے قتل کا حکم دے دیا۔جلاد آئے ،تینوں کے ہاتھ باندھ دیئے گئے۔ جب رقام کو قتل کرنے لگے تو نوری اٹھا اور کہا کہ پہلے میرا حق ہے۔جلاد نے کہا۔کیا تلوار میں ایسی ہی لذت ہے کہ تو رغبت سے دوڑ آیا ہے۔ جواب دیا۔ ہاں ایسی ہی لذت ہے۔میرا مذہب ایثار ہے۔ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز اپنی جان ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ چند سانس اپنے بھائیوں کی بہتری کے لئے صرف کر دوں۔ کیونکہ

دوسرے جہان میں جہاں خدمت نہیں بلکہ قربت ہوتی ہے ایثار کی لذت میسر نہیں آئے گی۔ یزید نے یہ خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ حکم آیا، قتل سے ہاتھ روک لو اور توقف کرو۔ غرض خلیفہ نے ان کو دربار میں بلوایا اور پوچھا کہ کوئی حاجت ہے؟ کہا۔ ہاں! اگر مہربانی کرے تو ہم کو فراموش کر دے۔ اور پھر کبھی اپنے پاس بلانے کی تکلیف نہ دے۔(3)

عمر(4) کے بیٹے کو ایک دفعہ مچھلی کی خواہش ہوئی۔ نافع روایت کرتے ہیں کہ بہت تلاش کے بعد مچھلی ملی۔ اس کو بھون کر میں اس کے پاس لے گیا۔ وہ مچھلی کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اسی وقت دروازے پر ایک سوالی آیا۔ عمر کے بیٹے نے کہا۔ اس کو مچھلی دے دو۔ غلام موجود تھا اس نے کہا کئی دنوں سے مچھلی کی خواہش تھی۔ آج خدا نے پوری کر دی ہے۔ فقیر کو کوئی اور چیز دے دو۔ کہا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث نہیں سنی کہ "جس چیز کو خواہش سے حاصل کر و اس سے ہاتھ اٹھا لو۔(5)

دس درویش تھے وہ ایک جنگل میں راستہ بھول گئے۔ پیاس سے سخت بیتاب ہوئے، لیکن پانی جوان کے پاس تھا وہ صرف ایک ہی آدمی کی پیاس بجھانے کے لئے تھا۔ اپنی پیاس کی خواہش کو ایک دوسرے پر قربان کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک کے سوا سب مر گئے۔ غرض وہ پانی اس نے پی لیا اور اس کی قوت سے افتاں وخیزاں جنگل سے باہر نکلا۔ ایک شخص سے اس نے یہ ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا اگر تو بھی وہ پانی نہ پیتا تو اچھا ہوتا۔ اس نے کہا، اگر میں نہ پیتا تو خودکشی کا مجرم ہوتا اور عاقبت میں گرفت ہوتی۔ کہنے والے نے کہا پھر وہ نو آدمی بھی خودکشی کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کیا ان سب سے جوابدہی ہوگی؟ اس نے کہا، وہ سب شہید ہیں اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی جان بچانے کے لئے خود موت قبول کرتا تھا لیکن جب وہ سب ایک دوسرے کی موافقت میں انتقال کر گئے اور صرف میں ہی اکیلا رہ گیا تو شرع نے مجھ پر

واجب کیا کہ میں پانی کو پی لوں اور اپنے آپ کو دانستہ اور بغیر کسی کی بھلائی کے ہلاکت میں نہ ڈالوں۔ اگر میں بھی پانی نہ پیتا تو میں بھی مرجاتا اور چونکہ گیارہواں کوئی آدمی نہیں تھا جس کے لئے میں ایثار کرتا۔ اس لئے میری موت بالکل حرام ہوتی۔(6)

جس شب کو کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (7) کے مارنے کا قصد کیا ہے تو حضرت علیؑ (8) اپنی جان کو قربان کر کے ان کے بستر ے پر جا سوئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیقؓ غار میں آپ ﷺ کے ساتھ شامل رہے ہیں اور اپنی جان کو ان کی خاطر معرض خطر میں ڈال چکے تھے۔

جنگ احد کا ایک واقعہ بھی مشہور ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو آزمایا ہے اور آزمانے کے بعد "و یؤثرون علیٰ انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ" (9) (اور اپنی جانوں کا ایثار کرتے ہیں، اگرچہ انہیں تنگی ہو) کے خطاب سے ان کو مخاطب کیا ہے۔ ایک انصاری عورت جنگ احد میں کوئی خدمت کرنا چاہتی تھی۔ جب میدان جنگ میں گئی تو دیکھا کہ چند آدمی زخمی پڑے ہیں۔ ان میں سے ایک اپنے آخری سانس لے رہا تھا۔ وہ نیک بخت عورت اس کے پینے کے لئے پانی لائی۔ اس نے اشارہ سے کہا، پہلے اس کو۔ وہ دوسرے کے پاس لے گئی۔ کل سات آدمی تھے۔ غرض اسی طرح جب چھٹے آدمی نے بھی یہی کہا کہ پہلے ساتویں کو پلا دو تو وہ اس کو پلانے لگی۔ مگر دیکھا تو وہ جان بحق تسلیم ہو چکا تھا۔ پھر واپس لوٹی تا کہ ان میں سے کسی کو پلا دوں۔ لیکن ان میں سے ایک بھی اب زندہ نہ تھا۔

ایک عابد شخص سے کوئی خطا ہوگئی۔ خطاب ہوا کہ اس کا نام بدبختوں کے دیوان میں لکھ دیا گیا ہے۔ عابد شخص نے کہا، خداوندا: دوزخ ہی میں بھیجنا مطلوب ہے تو ایسا کر کہ سب دوزخیوں کی جگہ میں اکیلا ہی کام دے سکوں تا کہ اور مخلوق کو

میرے اس انجام سے فائدہ پہنچے۔ حکم ہوا۔ ناراضگی صرف آزمائش تھی۔

ابی الحسن احمد نوریؒ بھی عموماً یہی دعا مانگا کرتے تھے۔ بارالہا! ہر چیز خواہ وہ بری ہے یا بھلی، تیرے علم، تیری قدرت اور تیرے ارادے سے اس دنیا میں ہے اگر تو ناچار دوزخ کو بھرنا ہی چاہتا ہے تو اس کے طبقوں کو مجھ سے بھر دے اور دوزخیوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے۔(10)

جان کا اور مال کا اور اپنے وقت کا خرچ کرنا کسی غیر کی بہتری کے لئے اسی کا نام ایثار نفس ہے۔ چنانچہ ارشاد الہیٰ ہے:

"لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون"۔(11) (ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے، یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز کو جس سے محبت کرتے ہو)۔

اب یہ ہر شخص کا کام نہیں کہ وہ اس چیز کو اللہ کی راہ پر خرچ کردے جس سے اس کو محبت ہے، سوائے اس کے جس کو اللہ توفیق دے"۔

خداوند بزرگ و بلند ان لوگوں کی نسبت جنہوں نے اپنے مال و جان کو اللہ کی راہ پر قربان کر دیا ہے۔ فرماتا ہے:

"ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء عند ربهم یرزقون"۔(12) اور ان لوگوں پر جو اللہ کے راستے پر مارے گئے یہ گمان نہ کرنا کہ وہ مردہ ہیں۔ بلکہ اپنے خدا کے نزدیک زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے)۔

پس وہ شخص حیات ابدی پا سکتا ہے جو دوسروں کے لئے اپنے نفس کو تکلیف دیتا، اپنے مال کو دوسرے کی حاجت روائی کے لئے خرچ کرتا ہے اور اپنی جان کو دوسرے کی جان بچانے کے لئے اللہ کی راہ پر قربان کرتا ہے۔ اسی موت کا نام حیات جاوید ہے اور یہ انہی لوگوں کو میسر ہو سکتی ہے جو خدا کے فرمان اور اس کے دوستوں کی

فرمان برداری میں ہر وقت آمادہ اور کمربستہ رہتے ہیں ۔

جیتا ہے وہ جو مر چکا ہے اور کے لئے
مرنا بھلا ہے اس کا جو اپنے لئے جئے

## حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ کا ایثار:

حضرت داتا گنج بخشؒ کوئی ایسی بات نہیں کرتے تھے جس کے وہ خود عامل نہیں ہوتے تھے۔ ایثار پر جو ان کے خیالات ہیں، وہ آپ نے دیکھ لیے ہیں۔ وہ خود بھی ایثار کے پابند تھے۔ ابتدائے عمر میں انہوں نے اپنے نفس کو راحت و آرام سے ہٹا کر حصول علم کی طرف متوجہ کیا۔ پھر جنگلوں اور بیابانوں اور شہروں اور مختلف دیار و امصار میں تجربہ، علم اور بزرگان دین کی زیارت کے لئے پھرتے رہے اور ان تجربوں اور سیاحتوں اور تحصیل علم سے جو کچھ حاصل ہو اس سے خلق اللہ کو فیض پہنچایا جائے۔ شادی دو دفعہ ہوئی اور دونوں مرتبہ ہی والدین کے اصرار سے۔ تیسری دفعہ بھی وہ شادی کر سکتے تھے۔ مگر منعقد ہونے سے چونکہ لوگوں کو زیادہ موقعہ نہ مل سکتا تھا اس لئے اس طرف توجہ ہی نہیں کی۔

اس کے علاوہ محض اشاعت اسلام اور کفر کی تاریکی کو دور کرنے اور نیکی و اخلاق حسنہ کا بیج بونے اور فسق و فجور کو نیست و نابود کرنے کے لئے غزنی سے لاہور میں اس زمانے میں آئے جب راستے موجودہ زمانے کی نسبت سخت تکلیف دہ اور زیادہ پرخطر اور طویل تھے۔ لاہور میں آ کر پہلے لڑکوں کو پڑھانا شروع کیا۔ مگر جب اس میں خودی اور حکومت کی بو پائی تو اس سلسلہ کو ترک کر کے عام طور پر فیض پہنچانا شروع کر دیا، اور یہ ان ہی کے فیوض و برکات کا نتیجہ ہے کہ آج پنجاب کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد نصف سے بھی زیادہ ہے۔

آج کتنے صوفی اور علماء ہیں جو اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر دوسروں

کے لئے راحت کا باعث ہو رہے ہیں اور کتنے ہیں جو سچی بات کہنے میں اور اسلام اور توحید کی اشاعت کرنے میں بزرگان سلف کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

استخارہ کرنا سنت ہے:

حضرت استخارہ کے سختی سے پابند تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ استخارہ کرنا خداوند بزرگ و بلند کے آداب کی حفاظت ہے اور شیطان سے خدا کی پناہ اور استعانت چاہنا اور اپنے کام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا، یہ سب باتیں استخارہ ہی کے متعلق ہیں۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحابوں نے روایت کی ہے کہ آپ ہمیں استخارہ اسی طرح سکھایا کرتے تھے جس طرح قرآن شریف بیان فرماتے ہیں۔
جب نیکی بدی بندے کو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے پہنچتی ہے اور پہلے سے مقرر ہے تو اپنے آپ کو قضاء کے سپرد کرنے اور خدا سے مدد مانگنے کے سوا اور کیا چارہ ہے؟ اس لئے تمام کاموں کے ابتداء میں انسان کے لئے مناسب ہے کہ وہ استخارہ کرے تا کہ خدا تعالیٰ اسے ہر خطا، ہر خلل اور ہر آفت سے محفوظ رکھے۔

ہر کام کا نیت پر انحصار ہے:

ابو سعید ہجویریؒ کو مخاطب کر کے ایک جگہ فرماتے ہیں کہ ہر کام کو شروع کر لینے سے پہلے اس کی نیت ضرور کر لینی چاہیے، اگر کام میں کچھ خلل واقع ہو یا کام بخیر و خوبی انجام تک نہ پہنچ سکے تو اس میں انسان معذور ہے۔ لیکن نیت اس کو کرنے اور انجام تک پہنچانے کی ہونی چاہیے۔
پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "نيّة المؤمن خير من عمله" (مومن کی نیت اس کے عمل سے اچھی ہے)۔
تمثیلات میں فرماتے ہیں: ایک شخص سارے دن کا بھوکا ہے مگر اس نے

روزہ کی نیت نہیں کی اور برخلاف اس کے ایک شخص نے روزہ کی نیت سے بھوک برداشت کی ہے، ان دونوں میں سے آخری شخص ثواب کا مستحق ہوگا۔

انسان کے لئے خطرناک حجاب:

حقائق ومعارف کے بہت سے نکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دوستوں اور اس کی درگاہ کے عزیزوں کے سوا اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتے۔ ان نکتوں سے ناواقف رہنے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے دل پر دو قسم کا حجاب ہوتا ہے ایک رینی اور ایک غینی۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ رینی وہ حجاب ہے جس سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیے۔ کیونکہ اسی حجاب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں ختم اللہ علیٰ قلوبھم (13) اور طبع اللہ علیٰ قلوبھم (14) فرمایا ہے (یعنی مہر لگادی ہے اللہ نے ان کے دلوں پر)۔

اس حجاب میں وہ لوگ شامل ہیں جن کو حق کے انکار اور باطل کے اختیار کرنے سے دلی محبت ہے۔ دوسرا حجاب غینی ہے۔ اس کے متعلق فرماتے ہیں۔ تربیت اور توجہ سے یہ حجاب جلدی دور ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص کی طبعیت ہے تو حجاب میں اور بظاہر وہ حقائق اور معارف سے بھی دور۔ لیکن اس کی طبعیت میں فی الواقعہ حق کی طلب ہے اور کسی نہ کسی وقت مرشد کامل کے مل جانے سے وہ صفائے قلب اختیار کر سکتا ہے۔ (15)

حضرت کے زمانہ میں شریعت وطریقت کا کیا حال تھا؟

جس طرح خداوند کریم پیغمبروں کا وجود دنیا کی اصلاح کے لئے پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح سے ورثۃ الانبیاء یعنی علماء وصوفیاء بھی اسی وقت عالم وجود میں آتے ہیں جب دنیا گناہوں میں سخت آلودہ ہوگئی ہو۔ بدی وبدکاری اور ریاکاری

ومکرو فریب کا زور ہو گیا ہو۔ چنانچہ ہر پیغمبر اور ہر ولی اللہ ضرورتوں کے لحاظ سے مبعوث ہوتے رہے اور یہی ضرورت حضرت علی مخدوم ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کو کتم عدم سے عالم شہود میں لائی۔ چنانچہ حضرت اپنی تصنیف کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"خداوند بزرگ و بلند نے ہمیں اس زمانہ میں پیدا کیا ہے جس زمانے میں لوگوں نے حرص اور لالچ کا نام شریعت اور تکبر و جاہ و ریاست کی طلب کا نام علم۔ لڑائی جھگڑے کا نام بحث مباحثہ۔ طمع کے ہذیان یعنی بکواس کا نام معرفت۔ نفسانی باتوں اور دل کی حرکت کا نام محبت۔ خدا کے رستے سے پھرنے اور بے دین ہونے کا نام فقر۔ حق تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا نام فناء فی اللہ اور ترک شریعت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔"

سوچو اور غور کرو!

کہ جب آج سے سات آٹھ سو سال پہلے ہماری مذہبی اور اخلاقی حس یہاں تک مردہ ہو چکی تھی کہ ہم تکبر کو عزت لڑائی کو مباحثہ۔ کینہ توزی کو حلم اور نفسانی خواہشوں کو محبت، ہذیان و بکواس کو معرفت اور بے دینی کو فقر کہتے تھے۔ تو اب جبکہ ورثۃ الانبیاء کے وجود سے بظاہر سناٹا چھایا ہوا ہے اور ہر مسلمان اپنے آپ کو آزاد خیال اور کسی امام و مرشد کی ضرورت سے مستغنی خیال کرتا ہے، اور جب کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خوف دلوں سے اٹھ گیا ہے اور اس مقدس کتاب کو جسے قرآن مجید کہتے ہیں اور جو دین و دنیا کے معلومات و معاملات کا ایک بیش قیمت خزانہ ہے اسے ہم نے بلائے طاق رکھ دیا ہے تو ہماری مذہبی حمیت کا کیا حال ہو رہا ہوگا؟ رحم: اے رحمتوں کے سرچشمے رحم!

## فرقہ صوفیاء پر ایک ظاہر بین کا اعتراض:

ایک ظاہر بین نے جو اپنے آپ کو اہل علم سے جانتا تھا اور جس نے کلاہ غرور کا نام علم کی عزت۔ حرص کی پیروی کا نام سنت پیغمبر اور شیطان کی موافقت کا نام ہی پیشواؤں کی خصلت رکھا تھا (16)۔ اثنائے بحث میں آپ سے کہا کہ ملحدون کے بارہ فرقے ہیں، جن میں سے ایک صوفیوں کے گروہ میں بھی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"صوفیوں میں تو ایک گروہ ملحد ہے، تم میں سے گیارہ ہیں۔ صوفی ایک فرقہ سے تو اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ ان میں بچنے اور بچانے کی صلاحیت تو موجود ہے لیکن تم گیارہ ملحد اور زندقہ فرقوں سے کہاں بچ کر جا سکتے ہو۔"

پھر جذبہ میں آ کر فرماتے ہیں:

"اے نادان! اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اپنے دوستوں کو اسی گروہ (صوفیاء میں) پوشیدہ رکھا ہے۔

## نفس کے بندہ کا انجام:

نفس کا بندہ اپنی نجات کے فکر سے غافل ہو کر چار پاؤں کا قائم مقام بن رہا ہے۔ یہ وہ بد نصیب شخص ہے جس نے توحید کی بو نہیں سونگھی۔ حدیث کا جمال نہیں دیکھا اور وحدانیت کا مزہ نہیں چکھا۔ مشاہدہ کی تحقیق سے عاجز ہے اور خواہش الہی کو چھوڑ کر دنیاوی حرص میں پھنس گیا ہے۔ بندہ نفس کی یہ تعریف حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں لکھی ہے اور اس تعریف کے آخر میں لکھا ہے، نفس کا بندہ کھانے، پینے، سونے اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کرنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتا۔ اس کو انجام میں عنایت و توفیق الہی کی بجائے خواری و ذلت نصیب ہوتی ہے۔ نفس کی

پیروی بدی اور شر کا منبع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو اس سے پرہیز کرنا فرمایا ہے۔ فی الواقعہ نفس کا بندہ اگر قومی مفاد اور برادرانہ تعلقات کو ملیامیٹ کر کے اپنی ذاتی اغراض میں منہمک ہے اور بڑے بڑے عہدوں اور اپنے تمول پر نازاں ہے تو کیا ہے

نہنگ و اژدھا و شیر نر مارا تو کیا مارا
نہ مارا نفس امارا کو گر مارا تو کیا مارا

## اسرار تصوف بغیر علم کے بیان نہیں ہو سکتے:

حضرت داتا گنج بخشؒ اہل تصوف کی ضرورت کے قائل تھے۔ مگر اس سے بھی زیادہ علم کی فضیلت اور وسعت کے خواہشمند تھے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید ہجویریؒ کو ان کے سوالوں کے متعلق جو سب سے پہلا جواب آپ نے دیا ہے وہ ضرورت علم ہی کے متعلق ہے۔ فرماتے ہیں:

"تصوف کی جڑ قوی اور اس کی شاخ میوہ دار ہے۔ مگر اس جڑ کو علم کے چشمے سے پانی ملنا چاہیے۔ اس لیے کہ سب بزرگان تصوف اہل علم ہی ہوئے ہیں"۔

انہوں نے اپنے مریدوں کو بھی علم سیکھنے ہی کی تاکید کی ہے اور مرتے دم تک ان کو طلب علم کی ضرورت بیان کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے کبھی بے ہودہ طریق اختیار نہیں کئے بلکہ طریقت کے مطالب و معانی میں وہ مضامین خلق اللہ کی بہتری کے لئے لکھے ہیں جو خدا کی طرف سے ان کے دل پر وارد ہوتے رہے ہیں۔

## علم نقصان رساں سے پناہ مانگو:

علم کے متعلق حضرت نے بہت تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے۔ ایک خدا تعالیٰ کا علم، ایک مخلوق کا علم۔ یا ایک دین کا علم ایک دنیا کا۔

دین کے علم کے متعلق فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بغیر جانے علم فقہ کے عبادت کرنے والا اس گدھے کی مانند ہے جو خراص میں جتا ہو۔ علوم دنیوی کے متعلق لکھتے ہیں: علوم نجوم، طب، حساب وغیرہ کئی علوم وفنون ہیں۔ گو ہر ایک کا جاننا فرض نہیں ہے مگر بقدر ضرورت اور جس قدر شریعت اجازت دے سیکھنا ضروری ہے۔ نجوم کی اس لیے ضرورت ہے کہ وقت پہچان سکو۔ طب کی اس لیے ضرورت ہے کہ اس علم کے جاننے والا (مختلف عوارض سے) اپنے آپ کو بچا سکے۔ علم حساب سے فرائض اور عدت کی مدت (اور لین دین کے معاملات) معلوم ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان سب باتوں کے باوجود اس علم سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جو انسان کو نقصان پہنچاتا ہے اور اس کو بدیوں اور ملحدات کی طرف مائل کرتا ہے اور اسی ذیل میں آیت وحدیث سے بھی کام لیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سے اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ لکھے ہیں:

"و یتعلمون مایضرھم ولا ینفعھم
(اور دیکھتے ہیں اس چیز کو جو انہیں نقصان دیتی ہے نہ کہ نفع)
آنحضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:
"اعوذ باللہ من علم لا ینفع"(18)
(علم بے منفعت سے خدا مجھے پناہ دے)۔
فرماتے ہیں علم وہ ہے جو ظاہر و باطن میں کام آئے۔

## علم حقیقت وشریعت کی اقسام:

ظاہری وباطنی علوم کی اقسام میں بھی آپ نے مفید عامہ بحث کی ہے۔ لکھتے ہیں۔ علم حقیقت کے تین رکن ہیں:

(1) خداوند تعالیٰ کی ذات اور اس کی وحدانیت کا علم۔

(2) اللہ تعالیٰ کی صفتوں اور اس کے حکموں کا علم۔

(3) حق سبحانہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے فعلوں کا علم۔

پھر علم شریعت کے تین رکن بیان فرمائے ہیں:

(1) کتاب یعنی کلام الہیٰ۔

(2) سنت

(3) امت کا اجماع (19)

اسی ذیل میں حضرت نے ان چھ قسموں پر نظیریں اور تمثیلیں دے کر بحث کی ہے اور براہین صادقہ سے خدا تعالیٰ کی صفتوں، اس کے فعلوں اور اس کی ذات اور اس کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور امت کے اجماع کو ثابت کیا ہے۔

موجودہ صوفیاء کے لیے ایک سبق:

علم کی ضرورت پر خدا تعالیٰ کا یہ قول "انما یخشی اللہ من عبادہ العلمؤا" (20) (خدا سے اس کے عالم بندے ہی ڈرا کرتے ہیں) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث: "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم"۔ (21) (علم کی طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے) اور "اطلبوا العلم و لو کان بالصین" (علم کی طلب کرو خواہ وہ چین ہی میں ہو) نقل کی ہے اور ظاہر کیا ہے کہ اے شخص: جان لے کہ علم کی کوئی حد نہیں اور عمر اس کے مقابلہ میں بہت تھوڑی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے علم کے متعلق بہت تاکید فرمائی ہے اور اپنی لاجواب کتاب میں اکثر مقامات پر طلب علم کا ذکر کیا ہے۔ خود صاحب تصانیف اور عالم متبحر تھے۔ ان کے ملنے والے اور مرید اور اخلاص مند سب انہی کے رنگ میں رنگے ہوئے اور نہ صرف عالم بلکہ عالم باعمل تھے۔ موجودہ زمانے میں کس قدر ایسے

پیر صاحبان ہیں جو اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کو طلب علم کی تاکید کیا کرتے ہیں؟ کیا پنجاب، سندھ اور کشمیر میں کئی ایسے پیر صاحبان نہیں ہیں جن کی بسر اوقات ہی اپنے مریدوں کی جہالت و بے علمی کی وجہ سے ہے اور کیا یہ غلط ہے کہ بعض ممالک خصوصاً کشمیر میں کئی جبہ پوش پیر صاحبان اپنے مریدوں کو مروجہ علم (انگریزی، اردو وغیرہ) کے پڑھنے سے منع کرتے رہتے ہیں۔ محض اس لئے کہ وہ علم پڑھ کر ہمارے پھندے سے نہ نکل جائیں۔

ادھر حضرت داتا گنج بخشؒ کو دیکھئے کہ نہ صرف اپنے مریدوں کو بلکہ تمام لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ علم حاصل کرو اور مثال میں خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال نقل کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب پیر خود کامل ہو تو وہ اپنے مریدوں کو بھی درجہ تکمیل تک پہنچانے کا خواہشمند رہتا ہے اور اس کو اپنے علم وعمل کی پختگی کے مقابلے میں کسی سائنس وفلسفہ کا کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ لیکن جو خود ناقص ہو اور قابل اصلاح ہو اور پھر پیر ومرشد کہلاتا ہو اس کو اپنے پڑھے لکھے مریدوں سے خوف نہ ہو تو کیا ہو۔

## غافل عالموں اور جاہل صوفیوں کی صحبت سے بچو:

حضرت داتا صاحبؒ نے یوں تو ہر ایسے آدمی کی صحبت سے کنارہ کشی کی ہدایت فرمائی ہے جس کے اثر سے دین وایمان اور اخلاق کو صدمہ پہنچنے کا احتمال ہو۔ مگر پڑھے لکھے آدمیوں کی صحبت سے پرہیز کرنے کی ہدایت بھی فرمائی ہے اور اس بارے میں شیخ المشائخ یحیٰؒ کے اقوال نقل کئے ہیں۔ (22)

غافل عالموں کی تشریح میں لکھا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنے دل کا قبلہ بنا لیا ہے اور شرع سے روگردانی کر کے بادشاہوں اور ظالموں کی پرستش اختیار کر لی اور ان کی درگاہوں کو اپنا طواف بنا لیا ہے۔ یعنی امیروں اور بادشاہوں کی

خوشامد اور پائے بوسی اختیار کر لی ہے اور اپنے ضمیر کو بیچ دیا ہے اور علم کی قدر نہیں کی اور نفاق وحسد کو اپنا مذہب بنالیا ہے۔

جاہل صوفی وہ ہیں جو کسی پیر کی صحبت میں نہ رہے ہوں۔ کسی بزرگ سے ادب نہ سیکھا ہو، زمانہ کی گوشمالی اور تکالیف و مصائب کا مزہ نہ چکھا ہو اور ہیچمدانی پر اپنے آپ کو ہمہ دان سمجھتے ہوں۔ ایسے آدمیوں سے بچو کہ وہ دعوؤں میں جھوٹے ہیں اور رفتار میں ناکامل۔

## فقر اور غنا سے درجہ فضیلت کس کو ہے؟

فقر اور غناء کے مسئلہ پر مشائخ میں مدت سے اختلاف چلا آتا ہے۔ بعض فقر کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض غناء کو۔ شیخ ابو سعید فرماتے ہیں "الفقیر ھو الغنی باللہ۔" (فقیر وہ ہے جو اللہ کے ساتھ غنی ہو) بعض دونوں کو برابر سمجھتے ہیں۔

لیکن حضرت داتا گنج بخشؒ اس باریک مسئلے کے متعلق لکھتے ہیں:

"اور میں عثمان جلابی کا بیٹا علی کہتا ہوں کہ غناء کا نام خاص خدا ہی کے لیے ہے اور لوگ اس نام کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ فقر مخلوق کے لیے زیبا ہے اور غناء خالق کے لیے اور مجازاً جو کسی کو غنی کہتے ہیں۔ وہ حقیقت میں غنی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ اس کا غناء اسباب کا محتاج ہے اور خدا خود مسبب الاسباب ہے، یعنی وہ سببوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ جب خدا کی ذات میں شرکت نہیں ہو سکتی تو صفات میں کون اس کا شریک ہو سکتا ہے؟ (23)

"واللہ الغنی وانتم الفقراء"۔ (24) (اللہ تعالیٰ بے احتیاج ہے اور تم محتاج)۔

خدا تعالیٰ نے فقر میں صبر اور صبر کی برداشت کو اپنے قرب کی زیادتی کا

باعث قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

"ان اللہ مع الصابرین"۔(25)(تحقیق اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

ایک دن جنید (26) اور ابن عطار (27) اسی مسئلہ پر بحث کر رہے تھے۔ ابن عطارؒ نے کہا غنی افضل ہیں۔ کیونکہ قیامت کے دن ان کا حساب کریں گے اور اس عتاب و حساب کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا اغنیاء سے بے وسیلہ اور براہ راست کلام ہوگا اور نیز یہ کہ عتاب ہمیشہ دوست پر ہی ہوتا ہے اور یہ علامت اس بات کی ہے کہ غنی خدا کے دوست ہیں۔ جنیدؒ نے کہا۔ اگر اغنیاء کا حساب کرے گا تو درویشوں اور فقیروں سے عذر خواہی کرے گا اور عذر حساب و عتاب سے افضل ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں، جہاں محبت ہو وہاں عذر چاہنا بیگانگی کی علامت ہے اور عتاب ظاہر کرنا محبت نہ ہونے کی نشانی، دوستوں کا درجہ اور مقام اس سے بلند تر ہے۔ یہ دونوں باتیں عذر اور عتاب دوستی کے لئے آفت ہیں۔ کیونکہ عذر یا عتاب دوست کے فرمان کی کوتاہی میں ہوتا ہے۔(28) اور وہ دوستی ہی کیا جہاں کوتاہی و سستی ہو۔ پس فقیر کو صبر اور غنی کو شکر اختیار کرنا چاہیے۔

## صوفی کی تعریف:

صوفی کے معنوں کی تحقیق میں خود صوفیاء کو اختلاف ہے تو اوروں کی نسبت کیا کہا جا سکتا ہے؟ ایک گروہ کہتا ہے صوفی وہ ہیں جو اون کا کپڑا پہنتے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ صوفی وہ ہیں جو قیامت کے دن پہلی صف میں کھڑے ہوں گے۔ ایک کا خیال ہے کہ جن لوگوں نے اصحاب صفہ سے محبت اور دوستی کی تھی انہی کا نام صوفی ہے۔(29)

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں:

"طریقت کی تحقیق کے موافق گو لفظ صوفی کے ہر معانی میں ایک لطیفہ اور نکتہ ہے۔ مگر لغوی معنے اور ہیں۔ صوفی صفا کی ستودہ صفت کا اظہار ہے۔ جب اہل تصوف اپنے معاملات اور اپنے اخلاق و خیالات کو مہذب بناتے اور صفائے قلب حاصل کرتے اور طبیعت کی آفتوں اور دل کی خواہشوں سے کنارہ کشی کرتے اور کثافت و کدورت سے دل صاف کرتے ہیں تو صوفی کہلاتے ہیں۔ صوفی کی تعریف خاص خاص معاملات پر محیط اور محدود نہیں ہے۔ اس کے معنے بڑے وسیع اور بزرگ تر ہیں۔ صوفی وہی ہے جو کدورت کو ترک کر دے۔ اب کدورت کی وسعت ملاحظہ ہو بدی، کینہ، حسد، ضرر رسانی ، دروغ، فریب، حرص، نفس کی تابعداری، خدا و رسول کے احکام کی مخالفت یہ سب باتیں کدورت میں داخل ہیں۔ پس صوفی وہی ہے جس نے اپنی ذات کو دیگر ابنائے جنس کے مفاد اور خدا تعالیٰ کی یاد کو بقاء دینے کے لئے فناء کر دیا ہو۔ طبیعتوں کی قید سے چھوٹا ہوا اور حقیقتوں سے ملا ہوا ہو۔"

صوفی کے معانی و تعریف کرنے کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ اس گروہ کی نسبت لوگوں کے خیالات بھی عجیب ہیں۔ کوئی تو کہتا ہے کہ یہ صرف ظاہری اصلاح کے پابند ہیں (جیسے نماز، روزہ، اخلاق حسنہ وغیرہ) بعض کہتے ہیں، ان کو ظاہر سے کیا تعلق؟ یہ تو باطن کی اصلاح کے لیے آئے ہیں۔ ایک گروہ کہتا ہے۔ صوفی بننا ایک رسم ہے جو بے اصل اور بے حقیقت چلی آتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کو ٹھٹھہ کرنے والوں کی طرح ان علماؤں نے بھی تصوف سے انکار کر دیا ہے جو صرف ظاہر ہی پر نگاہ کرنے

والے ہیں اور عام لوگوں نے ان کی پیروی کر کے باطن کی صفائی کی خواہش کو دل سے دور کر دیا ہے۔

## تصوف کی آٹھ قسمیں:

حضرت جنید بغدادی سہروردیؒ جن کے سلسلے میں حضرت داتا صاحبؒ شامل ہیں، تصوف کی حسب ذیل آٹھ قسمیں بیان کرتے ہیں:

رضا۔ سخا۔ صبر۔ اشارہ۔ غربت۔ لباس۔ سیاحت۔ فقر۔

اب حضرت داتا صاحبؒ ان قسموں کی تشریح و کیفیت میں تحریر فرماتے ہیں:

"رضا اسحاق کے لیے ہے کہ خدا کے حکم پر راضی ہوا اور اپنی جان کو ترک کر دیا۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ہے جس نے بیٹے کو بھی قربان کر دیا۔ صبر ایوب علیہ السلام کے لئے ہے کہ بدن میں کیڑے پڑ گئے، مگر اُف تک نہ کی اور صبر سے کام لیا۔ اشارہ زکریا علیہ السلام کے لئے ہے جس کو خدا تعالیٰ نے کہا کہ تو سوائے اشارات کے تین دن تک لوگوں سے نہ بول سکے گا۔ غربت حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے ہے کہ ساری عمر غریب رہے۔ بلکہ خوشیوں میں رہ کر خویشوں سے بیگانہ رہے۔ لباس تصوف موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے کہ ان کے سب کپڑے "اون" کے ہوتے تھے۔ سیاحت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے ہے جو ساری عمر بے سروسامانی کے ساتھ سیر کرتے رہے۔ ابتداء میں صرف ایک پیالہ اور کنگھی ان کے پاس تھا۔ جب ایک آدمی کو دونوں ہاتھوں سے پانی پیتے ہوئے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا اور جب دیکھا کہ ایک آدمی ہاتھوں کی انگلیوں ہی

سے بالوں کو صاف کر رہا ہے تو کنگھی بھی توڑ دی۔ فقر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہے جن کو حق تعالیٰ نے زمین وآسمان کی چابیاں عطا کیں۔ جن کو اہل مکہ نے اپنا بادشاہ بنانا چاہا، مگر انہوں نے فقر کو ان سب پر ترجیح دی۔"(30)

صوفیوں کا لباس گودڑی ہے:

صوفیوں کے لیے کس قسم کا لباس چاہیے؟ آپ نے ازمنہ سلف کے صوفیاء بلکہ خود حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ان کے خلفاء اور اصحاب سے روائتیں بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ صوفیوں کا اصل لباس گودڑی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول صوف کے متعلق لکھا ہے۔ صوف کا پہننا اپنے آپ پر لازم کرو۔ اپنے دلوں میں ایمان کی لذت پاؤ گے۔ پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ (31) کی زبانی یہ قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھا ہے۔ جامہ کو ضائع نہ کرو، جب تک اس پر پیوند نہ لگ جائیں۔ حضرت عمرؓ (32) جو گودڑی پہنتے تھے۔ اس پر تیس پیوند لگے ہوئے تھے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اکثر اوقات لمبا پیراہن پہنتے تھے۔ خواجہ حسن بصری (33) سے روایت ہے کہ میں نے سلمان فارسی (34) کو گودڑی پہنتے ہوئے دیکھا ہے، جس میں چیتھڑے لگے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ اور حضربت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت اویس قرنی کو ریشم کا جامہ پہنے دیکھا جس پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے جب گوشہ نشینی کا ارادہ کیا تو پشم کی گودڑی پہن لی۔ لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو خواب میں فرمایا کہ تم کو خدا نے گوشہ نشینی کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ باہر نکلو اور مردوں کے درمیان آؤ۔ کیونکہ تم میری سنت کے زندہ ہونے کا سبب ہو۔ اس وقت کے بعد انہوں نے گودڑی ترک کر دی۔ حضرت ابراہیم ادھمؒ جب امام ابوحنیفہؒ

کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو وہ پشم کی گودڑی پہنے ہوئے تھے۔ لیکن آج گودڑی، صوفیانہ اور فقیرانہ لباس محض اظہار خوبی و مرتبہ اور جھوٹے تصوف و فقر کے لئے رہ گیا ہے۔ باطن ظاہر کے موافق نہیں رہا۔ صرف نسبت ہی نسبت رہ گئی ہے۔ خیر ایں ہم غنیمت است۔ نسبت بہت اچھی ہے اگر حال برا ہے۔

فقراء وصوفیاء کے پاس لوگ کس غرض سے جاتے ہیں:

حضرت داتا صاحبؒ نے جن لوگوں کے ارادوں اور نیتوں پر جو صوفیاء کے پاس آمد ورفت رکھتے ہیں اور ان کی صحبت اختیار کرتے ہیں خوب روشنی ڈالی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دلوں کے بھیدوں سے وہ خوب واقف تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ چار قسم کے لوگ صوفیوں کے پاس آتے ہیں:

1۔ وہ جو باطن کی صفائی، دل کی روشنی، طبیعت کی پاکیزگی اور مزاج کے اعتدال پر آنے کے خواہشمند ہیں۔

2۔ وہ جو بدن کی بہتری، دل کے سکون، شریعت کی پابندی اور آداب وسلام کے خواہاں ہوتے ہیں۔

3۔ وہ جو بڑوں کے ساتھ عزت سے چھوٹوں کے ساتھ جوانمردی سے۔ نزدیکیوں کے ساتھ خوشی سے پیش آنے کے آرزومند ہیں اور کوشش اور محنت سے رزق حلال حاصل کرنا اور اپنے آپ کو نیکوں کے گروہ میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔

4۔ وہ لوگ ہیں جو نفس کی خودرائی اور طبیعت کی سستی کو دور کرنے کے بغیر بزرگوں میں شامل ہونا چاہتے ہیں اور حلم کی خصوصیت اور دیگر اوصاف کے ناپید ہونے کے باوجود صدر نشینی کا ارادہ رکھتے ہیں اور صرف اپنے نفس کی خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے صوفیوں اور فقیروں کے اردگرد منڈلاتے رہتے ہیں۔

## درویش کو کیا چاہیے؟

حضرت داتا صاحبؒ، حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ (35) سے بھی اپنے سیاحت کے زمانہ میں ملے ہیں۔ ابوالقاسم گرگانیؒ کی عزت وعظمت جو آپ کے دل میں تھی۔ وہ اسی سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان کو "بزرگوں کے بزرگ" لکھا ہے۔ آپ نے گرگانیؒ سے پوچھا، درویش کے واسطے کم سے کم کیا ہونا چاہیے؟ تاکہ وہ اپنا فقر پورا کر سکے۔ حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ نے جواب دیا۔ درویش کے لیے کم از کم تین چیزوں کی سخت ضرورت ہے:

اول: درویش کو اس بات کی تمیز ہونی چاہیے کہ چیتھڑا یا پیوند ٹھیک کس طرح لگایا جا سکتا ہے۔

دوم: یہ کہ وہ سخن ٹھیک طور پر سن سکے۔

سوم: یہ کہ اپنا پاؤں اچھی طرح زمین پر رکھ سکے۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں اس وقت درویشوں کا ایک گروہ بھی بیٹھا ہوا تھا۔ میں بھی اور وہ بھی سب ادب کی وجہ سے خاموش رہے اور سخن ٹھیک سننے اور پاؤں، صحیح طور پر رکھنے کی کیفیت نہ پوچھ سکے۔ غرض جب ہم سب ان سے رخصت ہوئے تو راستے میں ان درویشوں میں بحث چھڑی کہ ان اشارات کا کیا مطلب تھا جو جس کی سمجھ میں آیا اس نے بیان کیا۔ آخر میری باری آئی میں نے کہا:

1۔ چیتھڑا ٹھیک وہ ہوتا ہے جو فقر پر سیا جائے نہ کہ بدن پر۔ اس لیے کہ فقر کا ٹھیک سیا ہوا چیتھڑا بدن پر بھی ٹھیک آ سکتا ہے۔

2۔ سخن ٹھیک وہ ہوتا ہے جو حالت وجد میں سنیں نہ احسان اور نعمت میں اور وجد حق پر ہو نہ کہ ہزل پر۔

3۔ پاؤں ٹھیک وہ ہوتا ہے جو وجد کی حالت میں زمین پر رکھیں نہ کہ کھیل اور رسم کے

طور پر۔

حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں جب ان معانی اور اس تشریح کا حال حضرت ابوالقاسم گرگانیؒ کو معلوم ہوا تو کہا "اصاب علی خیرہ اللہ "یعنی ٹھیک کہا علی نے خدا تعالیٰ اسے نیکی دے۔(36)

سیاہ لباس آج سے صدہا سال پیشتر مشرق میں بھی ماتم کی علامت سمجھا جاتا ہے:

ہم اہل مشرق جب اہل مغرب بالخصوص اہل انگلستان کو اپنے ملک میں بازوؤں پر سیاہ کپڑا باندھا ہوا یا بالکل ہی سیاہ کپڑے پہنے ہوئے دیکھتے ہیں تو یہی سمجھتے ہیں کہ اہل یورپ میں سیاہ کپڑا ماتم کی علامت ہے۔ چنانچہ مرحومہ کوئن وکٹوریہ، ایڈورڈ ہفتم اور دیگر شاہزادگان اور متوسلین شاہی خاندان کے انتقال پر تمام انگریز بطور ماتم اپنے بازوؤں پر سیاہ کپڑا باندھ لیتے ہیں۔ ہم اس رسم کو آج تک ہمیشہ اہل مغرب ہی کی ایجاد سمجھتے رہے۔ مگر کشف المحجوب میں جس کی تصنیف کو قریباً نو سو سال گزر چکے ہیں۔ جہاں حضرت داتا گنج بخشؒ نے لباس کی قسموں پر بحث کی ہے وہاں تحریر فرمایا ہے کہ صوفیاء لوگ جو سیاہ اور نیلگوں جامہ پہنتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے:

1۔ سفید میں دھونے کی تکلیف ہے اور وہ میلا جلدی ہو جاتا ہے۔

2۔ سفید چونکہ خوبصورت اور چمکیلا ہوتا ہے اس لیے اس سے رعونت پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

3۔ دنیا چونکہ محنت کا مقام، مصیبت کا گھر، اندوہ کا گڑھا اور آفات کا گھوارہ ہے اس لئے صوفیوں نے نیلگوں ماتمی لباس اختیار کرلیا ہے۔

4۔ دنیا میں معاملے کی کوتاہی اور دل کی خرابی اور وقت کے ضائع ہونے کے سوا اور کچھ نہ پایا، اس لیے سیاہ پوشی اختیار کرلی۔ کیونکہ ایک تو کسی عزیز کی موت پر سیاہ

لباس پہنا جاتا ہے، دوسرا اپنے مطلب ومقصد کی فوتیدگی پر بھی ماتم کی ضرورت ہوتی ہے۔(37)

اس کی مثال میں فرماتے ہیں، ایک درویش سے کسی بے علم مدعی نے پوچھا تو نے سیاہ جامہ کیوں پہنا ہے؟ کہا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تین چیزیں یادگار ہیں۔ فقر۔ علم اور تلوار۔ تلوار بادشاہوں نے لے لی اس کا کچھ غم نہیں۔ لیکن قلق یہ ہے کہ اپنے موقعہ پر استعمال نہ کی۔ بیجا ستانیوں سے کام لیا یا اپنے ہی بھائیوں کے گلے کاٹے۔ علم کو علماء نے لے لیا۔ بہت اچھا کیا کہ وہ ورثۃ الانبیاء ہیں۔ لیکن عمل نہ کیا اور اس لئے کیا کرایا سب کچھ خاک میں ملا دیا۔ فقر باقی تھا اس کو فقیروں نے لے لیا وہ انہی کے لئے تھا۔ وہ نہ لیتے تو کون لیتا

قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند

لیکن انہوں نے بھی اس سے دکانداری چلانی شروع کر دی اور عجیب عجیب اختراع پیدا کر دیئے۔ ان گروہوں کی مصیبت میں حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یادگاروں کے لٹ جانے کے غم میں میں سیاہ پوش ہو گیا ہوں۔(38)

کشف المحجوب جس میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ آج سے قریباً نو سو سال پہلے کی تصنیف ہے اور جن سیاہ لباس پہننے والے درویشوں کی انہوں نے مثالیں بیان کی ہیں کہ وہ بطور اظہار ماتم اس کو پہنتے تھے۔ خدا جانے وہ ان سے کس قدر عرصہ پہلے گزر چکے ہیں۔ اس زمانہ میں یعنی آج سے نو سو یا ایک ہزار سال پہلے انگلستان اور یورپ کی حالت اس قابل نہ تھی کہ تہذیب وشائستگی وہاں دخل کر سکتی اور ایجادات واختراعات کا سہرا پہن سکتی۔ معلوم ہوتا ہے یورپ نے یہ رسم مشرق خصوصاً اہل مغرب سے حاصل کی ہے جو اس زمانہ میں یعنی آج سے ہزار سال پیشتر تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور ایجادات واختراعات کے مالک تھے۔

## شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی امت میں:

یہ حدیث ہے جس کے اصل الفاظ ہیں:"الشیخ فی قومه کالنبی فی امته۔" شیخ یعنی پیر طریقت کا یہ رتبہ بہت بڑا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ اس مرتبہ کا اہل ثابت ہو۔ حضرت داتا صاحبؒ نے مرید و مرشد کے تعلقات اور حقوق و آداب پر جامع بحث کی ہے فرماتے ہیں کہ جب کوئی مرید ہونا چاہے تو اس کو واجب ہے کہ ایک سال لوگوں کی خدمت ایک برس حق کی خدمت اور ایک سال اپنے دل کی رعایت میں رہے۔ جب وہ یہ تینوں شرطیں پوری کر لے تو اسے مرقعہ پہنانا اور اپنے حلقہ میں لانا درست ہے۔ لیکن پیر وہ ہو جو مستقیم الحال ہو اور طریقت کے ہر نشیب و فراز سے واقف ہو۔ جلال کے قہر اور جمال کے لطف سے بے خبر نہ ہو۔ بلکہ مرید کے اس حال سے بھی واقف ہو کہ وہ موچی کا موچی ہی رہے گا یا کچھ حاصل کر کے سکون اختیار کرے گا یا حد کمال تک پہنچنے والوں میں ہوگا۔(39)

شیخ ایک طبیب کی مانند ہوتا ہے۔ جب طبیب بیماری سے جاہل رہے اور اس کا علاج کرتا رہے تو آخر بیمار طبیب کی ناواقفیت کی وجہ سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ مرید کا فرض ہے کہ وہ مرقع یا خرقہ یا گودڑی کو جو اسے پیر کی طرف سے عنایت ہو، کفن سمجھ کر پہنے اور زندگانی کی لذتوں اور دل کو دنیا کی راحتوں سے پاک اور منقطع کر لے۔

## حریص مرقع پوشوں کی جماعت:

ایک مرتبہ آپ اپنے پیر و مرشد شیخ ابوالفضل ختلیؒ کے ساتھ آذربائی جان کے ملک میں پھر رہے تھے۔ وہاں آپ نے چند مرقع پوش درویشوں کو دیکھا کہ وہ گیہوں کے ایک خرمن کے پاس کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے کپڑے کا دامن پھیلا کر

زمینداروں سے کچھ طلب کررہے ہیں۔ اہل علم اور اہل فقر کی یہ دردناک حالت دیکھ کر آپ کے دل کو صدمہ پہنچا۔ شیخ ابوالفضل سے عرض کیا۔ یا حضرت! یہ کیا حال اور کیا انجام ہے؟ شیخ نے یہ آیت پڑھی:

"اولئك الذين اشتروا الضلالة بالهدى فما ربحت تجارتهم وما كانوا مهتدين۔"(40)

"یہ وہ گروہ ہے جس نے ہدایت کی بجائے گمراہی کو خریدا اور کچھ فائدہ نہ دیا اس تجارت نے ان کو اور یہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہے"

آپ نے فرمایا یا شیخ! یہ کتنی بڑی بے عزتی ہے۔ اس حرص میں مبتلا ہو کر لوگوں اور عموماً اہل دانش کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

شیخ: ان کے پیر نے یہ نہ دیکھا کہ یہ لوگ جو میرے پاس مریدی کے لیے آ رہے ہیں۔ ان کے پاس وہ زمین بھی ہے یا نہیں جو بیج قبول کر سکے گی۔ صرف مرید جمع کرنے کی حرص کی کہ بڑا پیر کہلا سکوں۔ چونکہ پیر میں حرص موجود تھی اس لیے مریدوں میں بھی وہ قائم رہی اور وہ اب حرص کے لئے دربدر ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔

سچ کہا ہے شیخ ابراہیم ذوق نے

سب کو دنیا کی ہوس خوار لیے پھرتی ہے
کون پھرتا ہے یہ مردار لیے پھرتی ہے

## صوفیاء کے گروہ ملامتیہ کا طریق کیا ہے؟

صوفیاء کے ایک گروہ نے طریق ملامتیہ اختیار کرلیا ہے۔ یہ طریق کیوں اختیار کیا جاتا ہے؟ علامت کیا ہوتی ہے؟ اب ایسے طریق کی ضرورت ہے یا نہیں؟

اس کے متعلق حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے تفصیل سے لکھا ہے۔

ملامت تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو خدا تعالیٰ کی باتیں اختیار کرنے میں۔ جیسا کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب حق کی دلیلوں اور وحی کے اترنے اور خدائے واحد کی پرستش کا ذکر کیا تو لوگوں نے طعن وتشنیع اور ملامت کی زبان دراز کر دی۔ دوسری وہ ملامت ہے جو خدا کی باتیں ترک کرنے میں ہوتی ہے۔ مثلاً نماز، روزہ بلکہ خدا تعالیٰ کے وجود تک سے انکار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات پر استہزاء وغیرہ۔ جیسا کہ ملحدوں، زندیقوں اور دہریوں کا قاعدہ ہے۔ تیسری ملامت وہ ہے جو اپنے آپ کو لوگوں کی نظروں میں عمداً ذلیل کر کے حاصل کی جاتی ہے تاکہ ہمارے ظاہری کردار و گفتار سے اہل دنیا ہم سے نفرت کریں اور ہم کو یاد الہٰی کے لئے وقت مل سکے اور کسی ایسی چیز پر ہم کو تکبر ہوتا ہے جو ہم میں موجود ہے اور جس کی دنیا دار تعریف کرتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص اس کو خدا نے بڑا مرتبہ دیا ہے۔ روحانی، دینی یا دنیوی۔ اس کے کسی کام کو لوگوں نے پسند کیا ہے اور اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن وہ نیک بخت تعریف سننا پسند نہیں کرتا، کیونکہ تعریف اور خوشامد سے انسان مغرور اور متکبر ہو جاتا ہے۔ اس وقت خدا کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ وہ اپنے دوست کو نہ صرف غیروں کی نظروں سے بلکہ اس کی اپنی نظروں سے بچانے کے لئے بھی ان کی ظاہری حالت میں اس قسم کا تغیر پیدا کر دیتا ہے کہ نہ لوگ اس کے حال کا جمال دیکھ سکیں اور نہ وہ خود اپنا جمال دیکھ کر تکبر و غرور کی آفت میں مبتلا ہو۔ (41)

ابو یزیدؒ (42) ایک مرتبہ حجاز کے سفر سے آ رہے تھے۔ جب رے میں پہنچے تو بہت لوگ ان کو دیکھنے کو آئے اور ایک جم غفیر علماء و فضلاء کا ان کے استقبال کو شہر سے باہر نکلا۔ بایزید اس جھنجھٹ سے بہت گھبرایا۔ جب لوگ اس کے پاس آئے تو اس

نے آستین سے ایک روٹی نکالی اور اسے کھانا شروع کر دیا۔ رمضان کا مہینہ تھا۔ سب لوگ یہ حرکت دیکھ کر نفرین کرنے لگے اور واپس چلے گئے۔ بایزیدؒ نے اپنے ہمراہی مرید سے کہا۔ دیکھا طریقت کی شریعت کے ایک ہی مسئلہ پر عمل کیا تو سب کوڑا کرکٹ دور ہو گیا۔ (43)

شیخ ابو طاہر حرمیؒ ایک دن گدھے پر سوار ہو کر بازار سے گزر رہے تھے۔ لوگوں نے شور مچایا۔ دیکھو وہ بے دین پیر جا رہا ہے۔ مرید ہمراہ تھے۔ ان کو طیش آیا۔ ان میں سے ایک لوگوں کو مارنے کو دوڑا۔ شیخ نے منع کیا اور کہا تجھے ایک بات بتاؤں گا کہ تیرا سارا رنج جاتا رہے گا۔ مکان پر آئے۔ خطوں کا صندوق باہر نکلوایا اور مرید کے آگے رکھا اور کہا دیکھ کسی نے شیخ الاسلام لکھا ہے۔ کسی نے شیخ زکی، کسی نے شیخ زاہد، کسی نے شیخ الحرمین، حالانکہ درحقیقت میں ایسا نہیں ہوں۔ ہر ایک نے اپنے علم، اپنی سمجھ اور اپنے اعتقاد کے مطابق جس نام سے چاہا مجھے مخاطب کیا۔ اگر کسی نے بے دین پیر کہہ دیا تو کیا ہوا۔ اس کے علم میں، میں بے دین ہی ہوں گا۔ اس پر جھگڑا کرنے اور مارنے مرنے کی کیا ضرورت ہے۔ (44)

## طریق ملامتیہ کے متعلق حضرت داتا گنج بخشؒ کے خیالات:

حضرت داتا گنج بخشؒ جو اپنے آپ کو ہمیشہ "عثمان جلابی کا بیٹا علی" کے نام سے خطاب کر کے لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں بے شک ملامت کی ضرورت تھی تا کہ تکبر و غرور کو شروع ہی میں بیخ و بن سے اکھاڑ دیا جائے اور وہ لوگ اس قابل بھی تھے کہ ملامت میں سلامت رہ سکیں۔ لیکن یہ زمانہ بڑا نازک ہے۔ شریعت کے خلاف کوئی چیز اختیار کر کے کہنا کہ میں ملامت کے طریق میں ہوں، ظاہراً گمراہی اور آفت ہے۔ اگر تو ملامت کے طریق ہی کو پسند کرتا ہے تو نماز کی دو رکعتیں اور زیادہ کر لے، اور دین میں پورا پورا منہمک ہو جا۔ کہنے والے اس طریق پر ملامت

ہی کریں گے۔(45) پھر کیا ضرور ہے کہ ملامت کے بہانوں سے تو دنیا جہان کی حرص کو پورا کرے۔

فرماتے ہیں۔اس زمانے میں بہت لوگ ایسے ہوگئے ہیں جو اپنے آپ کو گروہ ملامتیہ میں سے سمجھتے ہیں، لیکن دراصل وہ مکار ہیں اور اپنے نفس کی پرورش کے لیے ملامت کے عذر کو درمیان میں لا رہے ہیں۔

حضرت داتا صاحبؒ ایک مرتبہ ماورالنہر کی سیاحت میں تھے۔ایک ملامتی سے ملے وہ ان کی ملاقات سے بہت خوش ہوا۔آپ نے پوچھا۔شوریدہ حالی سے تیری کیا مراد ہے۔کہا۔لوگوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔فرمایا۔لوگ بہت ہیں اور عمر کم۔کس کس سے پیچھا چھڑائے گا؟ اور کب تک؟ تو خود ہی ان کا پیچھا چھوڑ دے۔

## ایک مرحلہ کا حل کس طرح ہوا؟

لکھتے ہیں بعض جگہ ملامت کام بھی بڑا دے جاتی ہے۔حضرت ابراہیم ادھمؒ سے کسی نے پوچھا، تو نے کسی وقت اپنے دل کی مراد بھی پائی۔کہا۔کئی مرتبہ۔ایک تو اس وقت جب میں ایک کشتی پر سوار تھا۔لوگ مجھ سے ہنسی مذاق کرتے تھے۔بلکہ ایک شخص میرے سر کے بال کھینچتا اور نوچتا۔اور مسخرہ پن سے میری حقارت کرتا تھا۔یہاں تک کہ ایک مسخرہ اٹھا اور اس نے میرے سر پر پیشاب کر دیا، میں اپنی اس حقارت پر بہت خوش ہوتا تھا اور اپنے دل کو قرب الٰہی کے درجہ پر دیکھتا تھا۔(46)

حضرت داتا صاحبؒ اس موقع پر اپنے ایک ذاتی واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔مجھے ایک دفعہ کوئی مشکل پیش آ گئی۔میں شیخ ابو یزیدؒ کی قبر پر اس وقت تک مجاور رہا جب تک میری وہ مشکل حل نہ ہوگئی۔ایک دفعہ پھر ایسی ہی مشکل پیش آئی میں پھر ان کی قبر پر گیا۔ہر روز تین دفعہ نہاتا اور تیس دفعہ وضو کرتا تھا۔تین مہینے تک مزار کی مجاوری کی۔مگر مقصد دل پورا نہ ہوا۔آخر مایوس ہو کر خراسان کے سفر کا ارادہ کیا

سنت کے طور پر (سخت کپڑے کی) گودڑی میرے بدن پر تھی اور اہل ظاہر کے اسباب میں سے صرف ایک عصاء اور چمڑے کا لوٹا میرے پاس تھا۔ شہر کش کے نواحات میں ایک گاؤں تھا۔ وہاں ایک خانقاہ میں جہاں ظاہری صوفیوں کی ایک جماعت تھی، میرا قیام ہوا۔ اس جماعت سے کوئی مجھے پہچان نہ سکا۔ میں ان کی نظروں میں بہت حقیر معلوم ہوتا تھا۔ مجھے انہوں نے شب باشی کے لیے ایک بالا خانہ دیا اور آپ اس سے اوپر کی منزل پر چڑھ گئے۔ ایک سوکھی روٹی جو پڑے رہنے کے سبب سبز رنگ کی ہوگئی تھی، مجھے کھانے کو دی اور آپ نہایت لذیذ طعام کھانے لگے۔ طعام کے بعد انہوں نے خربوزے کھانا شروع کئے اور ان کے چھلکے میری طرف پھینکتے تھے۔ جوں جوں وہ میری حقارت کرتے تھے اور مجھے طعن دیتے تھے۔ میرا دل بہت خوش ہوتا تھا اور مجھ پر عجیب وغریب نکات ظاہر ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ میری وہ مشکل جو بایزیدؒ کے مزار پر بھی حل نہ ہوسکی تھی خود بخود آسان ہوگئی اور مجھے معلوم ہوگیا کہ بزرگ کس طریق سے جاہلوں کی صحبت سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ (47)

## صوفیوں کے فرقوں کا بیان:

حضرت داتا صاحبؒ نے صوفیوں کے بارہ فرقے بتائے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ ان میں سے دو مردود ہیں اور دس مقبول۔ جو مقبول فرقے ہیں ان کو مجاہدات و مشاہدات میں خواہ کس قدر اختلاف ہو۔ مگر اصولوں اور شرح کی شاخوں اور توحید کے معاملات میں سب متفق ہیں۔ ان میں سے چند فرقوں کے بیان میں لکھتے ہیں:

محاسبیہ: یہ فرقہ اسد کے بیٹے ابی عبداللہ حارث محاسبی سے ہے۔ یہ فرقہ اصول ور فروع اور حقیقتوں کے علم کا عالم اور ان کا سخن توحید کی تجرید ہے۔ ان کا مذہب یہ ہے کہ رضا مقام سے نہیں بلکہ حال سے ہے۔ خراسان والوں نے ان کی تقلید کی، مگر عراقیوں کو ان سے اختلاف رہا اور وہ آج تک چلا آتا ہے۔ رضا معرفت کی آخری منزل ہے

کیونکہ جس نے یہ کہہ دیا

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہے

اس کی نہ کوئی تمنا ہے اور نہ اس کو رنج سے رنج ہے اور نہ خوشی سے خوشی۔ وہ تو

رشتہ در گرہ نم انگندہ دوست

کا مصداق ہے۔(48)

قصاریہ: اس فرقے کی ابتداء صالح قصاریؒ بن حمدون بن احمد عمارؒ سے ہے۔ اس فرقہ کا طریق اظہار ملامت ہے۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تنہائی میں خدا تعالیٰ کی یاد کرنی چاہیے۔ ظاہر میں اپنے آپ کو قابل ملامت بنانا چاہیے۔(49)

طیفوریہ: اس سلسلہ کی ابتداء عیسیٰ بسطامیؒ کے بیٹے ابی یزید طیفور بسطامیؒ سے ہے۔ یہ بہت بڑے بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کا طریق صحو اور سکر تھا۔ سکر خدا تعالیٰ کی محبت کے غلبہ کو کہتے ہیں اور صحو حصول مراد کو۔ اہل معنے سے ایک گروہ سکر کو صحو پر اور ایک صحو کو سکر پر ترجیح دیتا ہے۔(50)

جنیدیہ: اس گروہ کی بنا محمدؒ کے بیٹے حضرت ابی القاسم جنیدؒ کے وجود سے ہے۔ جن کو علمایان عصر اور صوفیان دہر طاؤس العلماء کہتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ بھی اسی فرقہ سے تھے۔ صحو اور سکر کے معاملہ میں اس فرقہ کو طیفوریوں سے اختلاف ہے۔ ان کے خیال میں صحو خدا تعالیٰ کے ساتھ حال کی صحت سے ہے۔ جیسا کہ حضرت جنیدؒ نے حسین بن منصور کو کہا تھا کہ تو ہماری صحبت کے لائق نہیں ہے۔ کیونکہ صحبت کے لئے صحت لازمی ہے اور سکر شوق کی کثرت اور محبت کے غایت درجے کو کہتے ہیں۔ اور ان دونوں صفتوں کو کسب سے نہیں بلکہ تائید ایزدی سے سمجھتے ہیں۔(51)

نوری: اس فرقہ کے صوفی شیخ محمد نوریؒ کے بیٹے ابی الحسنؒ سے محبت کرتے ہیں۔ تصوف میں ان کا مذہب پسندیدہ ہے اور ان کا معاملہ جنیدؒ کے موافق ہے۔ یہ فرقہ

گوشہ نشینی سے کنارہ کش اور صحبت کا مؤید ہے اور ایثار کا پابند۔ یعنی دوسرے کی مصلحت کو اپنی مصلحت پر مقدم سمجھتا ہے۔(52)

سہیلی: اس فرقہ کے مشائخ عبداللہ تستریؒ کے بیٹے سہلؒ سے اپنی نسبت ملاتے ہیں۔ جن کا طریق اجتہاد، نفس کا مجاہدہ اور ریاضت بہت سخت ہے۔ حضرت سہلؒ نے اپنے ایک مرید کو کہا کہ تمام دن اللہ اللہ کے سوا کوئی کلام نہ کر۔ پھر تین دن کے لئے اور تاکید کی۔ پھر کچھ دن اور بڑھا دیئے۔ یہاں تک کہ جب مرید کوئی خواب دیکھتا اس میں بھی اللہ اللہ ہی کی آواز سنائی دیتی۔ ایک مرتبہ مکان کی چھت کی لکڑی مرید کے سر پر گر پڑی۔ خون کے جو قطرے زمین پر گرے ان پر بھی اللہ اللہ ہی ظاہر ہوتا رہا۔(53)

فرازی: یہ فرقہ ابوسعید فرازیؒ سے شروع ہوا ہے۔ طریقت میں یہ صاحب تصنیف ہو گزرے ہیں۔ تجرید وانقطاع میں ان کا بڑا مرتبہ تھا۔ اور بقاء وفناء کے مسائل پر بڑا زور دیا کرتے تھے۔

خفیفی: خفیف کے بیٹے ابی عبداللہ محمدؒ سے اس فرقہ کی ابتداء ہے۔ یہ ظاہری و باطنی علوم کے عالم تھے۔ ان کی تصانیف عالی پایہ ہیں۔ آپ شاہی خاندان سے تھے۔ جب توبہ کی تو بڑا بلند مرتبہ پایا۔ یہ حضوری وغیبت کے مسائل پر بہت زور دیتے تھے۔ یعنی فرمایا کرتے تھے کہ جو اپنے سے غائب ہوتا ہے خدا تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ اور جو خدا تعالیٰ کی درگاہ میں حاضر ہوتا ہے اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی(54)

اسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا
اگر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا

حلولی: اس فرقہ کو جو ابوحلمان دمشقی کا پیرو ہے، آپ نے لعنتی فرقہ بیان کیا ہے۔ اس فرقہ کے لوگوں کو آپ ملحد بیان کرتے ہیں۔ دوسرا ملحد فرقہ اپنے آپ کو حسین فارسیؒ

کا معتقد ظاہر کرتا ہے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "میں عثمان جلابی کا بیٹا علی کہتا ہوں کہ میں نہیں جانتا فارس کون ہے؟ اور ابو سلمان کون؟ اور انہوں نے کیا کہا اور کیا کیا؟ لیکن جو شخص تحقیق اور توحید کے خلاف چلتا ہے اس کو دین میں کچھ نصیب نہیں ہوتا اور جب دین جو اصل ہے مضبوط نہ ہو تو تصوف جو اس کی شاخ ہے کس طرح مستفید ہو سکتی ہے۔(55)

نفس کی موافقت بندہ کی ہلاکت ہے:

نفس کیا چیز ہے اس کی موافقت میں کیا ہلاکت اور اس کی مخالفت میں کیا نجات ہے؟ اس پر حضرت داتا صاحبؒ نے نہایت لطیف بحث کی ہے اور آیتوں، حدیثوں اور مختلف اقوال سے ثابت کر دیا ہے کہ نفس کی تابعداری جان کی ہلاکت ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک گروہ کے نزدیک نفس روح کو کہتے ہیں۔ ایک اس کے معنی جسم کے لیتا ہے۔ ایک خون کے معنوں میں اس کو استعمال کرتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ یہ ایک چیز ہے جو دل میں جان کی طرح رکھی گئی ہے اور شر کا منبع ہے۔ ایک کا خیال ہے کہ نفس اور روح دونوں لطیف چیزیں ہیں۔ جیسے شیطان اور فرشتے اور بہشت اور دوزخ کہ ایک خیر کا محل ہے ایک شر کا۔(56)

حضرت نے انسان کی ترکیب کو تین معنوں سے ظاہر کیا یعنی روح، نفس اور بدن۔ فرماتے ہیں:

"ہر ایک کے لئے ایک صفت ہے۔ روح کے لئے عقل۔ نفس کے لیے ہو، اور بدن کے لئے حس۔ انسان جس جہان میں رہتا ہے اس کی ترکیب: آگ، پانی، مٹی، ہوا اور بلغم، خون،

صفرا، سودا سے ہے۔ جس جہان میں انسان یہاں سے جائے گا۔ اس کی ترکیب: بہشت دوزخ، میدان قیامت سے ہے۔ تو جان کو جو نہایت لطیف ہے بہشت سمجھ۔ نفس کو جو آفت اور وحشت ہے دوزخ تصور کر اور جسم کو میدان قیامت خیال کر۔ بہشت خدا کی رضا اور دوزخ اس کے قہر کا نمونہ اور میدان قیامت اس کے جمال و جلال کا مظہر ہے۔ پس اپنے نفس کو ذلت سے پہچان تا کہ خدا کے نزدیک عزت پائے۔ اپنے آپ کو عبودیت میں لے جا تا کہ ربوبیت تک پہنچے۔ خدا نے اور اس کے رسول نے نفس کے خلاف کرنے کا حکم دیا ہے اور نفس (ہوا و ہوس) کو قابو میں رکھنے والوں کی مدح اور جنہوں نے نفس کی غلامی کی ہے ان کی مذمت کی ہے۔ پس اپنے آپ کو ہلاکت سے بچا۔ اور نفس پر قابض رہ۔ اس سے مجاہدہ کر، کیونکہ یہی جہاد اکبر ہے اور اسی سے مشاہدہ حاصل ہوتا ہے" (57)

## مسجد کی حرمت کو نگاہ رکھو:

مسجد خانہ خدا ہے۔ خدا کے گھر میں وہ لوگ جو بظاہر خدا کے بندے کہلانے اور اس کی عبادت کرنے اور اپنی عبودیت کا ثبوت دینے کے لئے آتے ہیں۔ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ معلوم نہیں وہ کون سا تیسرا جہان ہے جہاں ان منافقوں اور مشرکوں کا ٹھکانا ہوگا۔ کئی مسجدوں کے ملا، کئی نمازی، لمبی لمبی داڑھیوں والے، بعض ایسے افعال ناشنوا کے مرتکب دیکھے گئے ہیں کہ اسلام کا مجسمہ ان کی جان کو دونوں ہاتھوں سے بددعا دے رہا ہے۔ ان کے علاوہ عام لوگ بھی نہ وضو کا احترام کرتے ہیں نہ مسجد کا۔ ادھر وضو ہو رہا ہے ساتھ ہی باتیں بھی وہ بھی دین کی نہیں بلکہ دنیا کی ہو رہی

ہیں۔ ادھر نماز ختم ہوئی۔ ادھر پھر دنیاوی معاملات کے قصے شروع ہو گئے۔ خدا کے گھر کا احترام برائے نام بھی نہیں کیا جاتا۔ اس میں عام لوگ ہی نہیں بلکہ بڑے بڑے لوگ بھی مبتلا ہیں۔

چنانچہ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کی زیارت کے لئے ایک مسجد میں گئے۔ دیکھا کہ منہ کا لعاب مسجد میں پھینک رہا ہے۔ آپ بغیر ملے اور بغیر سلام کرنے کے واپس آ گئے اور کہا کہ یا تو مسجد کی حرمت قائم رکھ کر لعاب باہر پھینکنا تھا۔ اپنے دوست کے گھر کی یہ بے ادبی، یا تو اگر ولی ہے تو کرامت کے زور سے وہ طاقت پیدا کر کہ لعاب منہ سے بھی نکل جائے اور خانہ خدا کو بھی پلید نہ کرے۔ اسی طرح حضرت داتا صاحبؒ ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیخ ابو سعیدؒ کے پاس ایک شخص آیا۔ وہ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آنے والے نے مسجد میں پہلے بایاں پاؤں رکھا۔ شیخ ابو سعیدؒ نے اندر ہی سے حکم دیا کہ اس شخص کو باہر نکال دو۔ جو دوست کے گھر میں داخل ہونا بھی نہیں جانتا۔ وہ اس کے رموز و نکات کو کیا سمجھے گا؟

## معجزہ اور کرامت میں کیا فرق ہے؟

معجزہ اور کرامت اور پیغمبر اور ولی کے موضوع پر حضرت داتا صاحبؒ نے پراز معلومات بحث کی ہے اور طالب کو اس بحث سے نہایت لذت حاصل ہوتی ہے۔ معجزوں کی شرط یہ ہے کہ وہ ظاہر کئے جائیں اور کرامت کی شرط یہ ہے کہ اسے حتی الامکان ظاہر نہ کیا جائے۔ صاحب معجزہ شروع میں تصرف پیدا کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کا نبی، پیغمبر اور رسول ہوتا ہے اور صاحب کرامت کو سوائے شرعی احکام کے تسلیم اور قبول کر لینے کے اور کوئی چارہ نہیں، کیونکہ ولی کی کرامت نبی کی شرع کے خلاف کبھی نہیں چل سکتی۔ اپنے پیرو مرشد شیخ ابوالفضل بن حسن الختلیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ

وہ فرمایا کرتے تھے اگر ولی ولایت کو ظاہر کرے اور اس کا دعویٰ کرے تو یہ حالت کی صحت کو زیان نہیں پہنچاتا۔ لیکن اس کے ظاہر کرنے میں (بسا اوقات) دل میں رعونت پیدا ہو جاتی ہے اور ولی نبوت کا دعویٰ کرے تو وہ کفر ہے۔ (58)

حضرت داتا گنج بخشؒ اثبات کرامت کے بیان میں فرماتے ہیں کہ ولی پر کرامت کا ظہور جائز ہے۔ کیونکہ وہ اس کے صدق کی علامت ہے اور ولی کی کرامت نبی کی نبوت کا ثبوت ہے اور مومن کے لئے بھی ولی کی کرامت رویت نبی کے صدق پر زیادہ اعتماد پیدا کرتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ کرامت کا ظہور تکلف اور رعونت سے نہ ہو۔ (59)

ولایت اور کرامت خدا تعالیٰ کی بخششوں میں سے ہے۔ نہ کسب کے ذریعہ یہ حاصل ہوتی ہے۔ اور روا نہ ہے کہ یہ کسی ایسے شخص سے بھی ظاہر ہو جو اسلام کی نعمت سے مشرف نہ ہو۔ ولیوں کی عصمت کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ ازلی عصمت اور (مادرزاد) پاکدامنی نبیوں ہی کے لئے ہے۔

## مسجد کے ستون سے ہمکلامی:

حضرت داتا گنج بخشؒ ایک مرتبہ شہر طوس میں شیخ ابوالقاسم گرگانیؒ کی زیارت کو گئے۔ وہ مسجد کے حجرہ میں تنہا بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں، میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ میرا واقعہ ستون سے کہہ رہے تھے۔ آپ نے عرض کیا۔ اے شیخ: کس سے باتیں کر رہے ہو؟ جواب دیا۔ اے بیٹا! اس ستون کو اس وقت اللہ تعالیٰ نے (جو! کل شئی قدیر ہے) طاقت گویائی عطا کی ہے۔ اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی۔ جس کا میں نے اس کو جواب دیا ہے۔ (60)

اس واقعہ پر اس ستون کا واقعہ یاد آ گیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں رو رہا تھا۔

### بے موسم کے میوے اور معاملہ کی صفائی پر کبوتر کی پرواز:

ایک مرتبہ حضرت فرغانہ کے علاقے میں ایک بزرگ کی تلاش کر رہے تھے۔ ایک موضع میں جس کا نام ملا نگ تھا ان کا پتہ ملا۔ اس پیر مرد کا نام باب عمر تھا۔ ان کے پاس ایک ضعیف العمر عورت بھی تھی جس کا نام فاطمہ تھا۔ آپ فرماتے ہیں زقند سے میں نے اس پیر مرد کی زیارت کا ارادہ کیا تھا۔ جب میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا کیونکر آنا ہوا؟ میں نے کہا، آپ کی زیارت کے لیے۔ شیخ نے نظر التفات سے دیکھ کر کہا کہ اے بیٹا! میں فلاں روز سے تجھ کو دیکھ رہا ہوں اور جب تک کہ تجھ کو مجھ سے غائب نہ کریں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے دیکھتا رہوں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب میں نے دنوں اور سالوں کا شمار کیا تو وہ دن جو پیر مرد نے بتایا تھا میری توبہ کی ابتداء کا دن تھا۔ اس پیر مرد نے فاطمہ سے کہا کہ درویش کے کھانے کے لئے کچھ لاؤ۔ وہ گئی اور انگور اور کھجوریں لے آئیں۔ حالانکہ ان کا موسم نہ تھا اور فرغانہ میں کھجوروں کا ہونا ناممکنات میں سے تھا۔

ایک مرتبہ آپ شیخ ابوسعیدؒ کی قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سفید کبوتر آیا اور اس غلاف کے نیچے جو قبر پر ڈالا گیا تھا، چلا گیا۔ آپ فرماتے ہیں۔ میں نے سمجھا شاید کسی نے اڑایا ہے۔ جب غلاف کو الٹ کر دیکھا تو کچھ بھی نہ تھا۔ دوسرے اور تیسرے دن بھی یہی حیرت انگیز معاملہ ہوا۔ رات کو شیخ خواب میں ملے۔ میں نے ان سے اس واقعہ کا ذکر کیا۔ فرمایا: یہ کبوتر میرے معاملہ کی صفائی ہے اور ہر روز میری قبر پر میری ہم نشینی کے لئے آتا ہے۔ (61)

غرض ولیوں کی کرامتوں کے متعلق آپ نے اپنے چشم دید اور دوسرے اولیائے کرام کے بہت سے واقعات کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ کرامتوں کا صحیح ہونا عقل کی دلیل ہے۔

## انسان فرشتوں سے افضل ہے:

معتزلہ ایک فرقہ ہے وہ فرشتوں کو نبیوں سے افضل سمجھتا ہے اور دلیل یہ دیتا ہے کہ وہ زیادہ مطیع، زیادہ پاکیزہ اور زیادہ بلند ہیں۔ حضرت داتا گنج بخش کہتے ہیں۔ اگر وہ زیادہ مطیع اور زیادہ پاکیزہ ہیں تو تعجب ہی کیا ہے۔ وہ پیدا ہی اطاعت اور پاکیزگی کے لئے کئے گئے ہیں۔ مگر ان سے بھی زیادہ بلند مرتبہ اور افضل وہ ہستی ہے جس کا نام انسان ہے اور جس کے سجدہ کرنے کے لئے اس پاکیزہ ہستی (فرشتوں) کو حکم دیا گیا اور جن میں سے سوائے ایک کے جس کا نام اب شیطان ہے، سب نے سجدہ کیا۔ سجدہ ہمیشہ اسی کو کیا جاتا ہے جو اپنے سے افضل ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور بات ہے۔ فرشتے ایک لطیف ہستی ہیں۔ لیکن انسان کے ساتھ اس کی پیدائش ہی میں شہوت مرکب ہے اور گناہوں کا ارتکاب اس سے ممکن اور دنیا کی آرائش اور اس کے جھگڑے بکھیڑے سب اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔

پھر شیطان کو اس کے جسم میں اس قدر غلبہ ہے کہ وہ اس کی رگوں میں خون کے ساتھ ساتھ دوڑتا پھرتا ہے۔ پس ایسا شخص جو باوجود شہوت کے غلبہ کے بدکاری اور گناہوں سے پرہیز کرے اور باوجود شیطانی وسوسوں کے نفسانی آفتوں سے بچا رہے اور نفس کے مجاہدہ اور شیطان سے جنگ میں مشغول ہو۔ وہ اس سے زیادہ بلند مرتبہ اور زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ جس میں شہوت کی طاقت بھی ہے۔ جس کو غذا اور لذت کا احساس نہیں ہے اور جس کو عورت اور فرزند کا اندوہ نہیں۔ (62)

یہ قوت رکھ کے بچتا ہے گناہ سے
ملک سے بڑھ کے رُتبہ ہے بشر کو

## وضو کس طرح کرنا چاہیے؟

وضو کرنا سب جانتے ہیں لیکن جو طریق حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ نے

ظاہری و باطنی پاکیزگی وطہارت کے متعلق بیان فرمایا ہے۔ اگر اس پر عمل کیا جائے تو فی الواقعہ وضو کرنے والا یہ شعر کہنے کا مجاز ہو سکتا ہے

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جائیو!

دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

حضرت داتا صاحبؒ وضو اور طہارت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔ جب تو استنجا کرے تو چاہیے کہ جس طرح ظاہر کی پلیدی سے نجات طلب کی ہے، باطن میں غیر کی دوستی سے بھی نجات حاصل کر۔ جب تو ہاتھ دھوئے تو چاہیے کہ دل کو دنیا کی دوستی سے دھو ڈالے اور جب پانی منہ میں ڈالے تو چاہیے کہ منہ کو غیر کے ذکر سے خالی کرے۔ اور جب نتھنوں میں پانی ڈالے تو چاہیے کہ شہوتوں کو اپنے اوپر حرام کرے اور جب منہ کو دھوئے تو چاہیے کہ تمام ایسی چیزوں سے جن میں اس کو منہمک ہو جانے کا اندیشہ ہے، یک لخت منہ پھیر لے۔ جب سر کا مسح کرے تو چاہیے کہ اپنے معاملات خدا کے سپرد کر دے اور جب پاؤں دھوئے تو چاہیے کہ خداوند تعالیٰ کے حکم کی موافقت کے سوا اقامت کی نیت نہ کرے تا کہ ظاہر و باطن کی طہارت اس کو نصیب ہو۔ (63)

جلالی اور جمالی توبہ:

سالکان راہ حقیقت کا پہلا مقام توبہ ہے اور اس پر حضرت داتا صاحبؒ نے طویل بحث کر کے نہایت اچھے نکات اور اشارات بیان کئے ہیں۔ توبہ کیا ہوتی ہے؟ توبہ کی کتنی قسمیں ہیں؟ توبہ کر کے پھر بدی پر اگر انسان مائل ہو جائے تو اس کو کیا کرنا چاہیے؟ توبہ کرنے والوں کے متعلق الٰہی ارشاد کیا ہے؟ گناہ گار اور گناہ کرنے کا ارادہ کرنے والے میں کس کو فضیلت ہے؟ غرض بڑی دلچسپ بحث ہے۔ یہاں مشتے نمونہ از خروارے توبہ کے متعلق حضرت کے ملفوظات سے صرف دو نکتے بیان کئے جاتے ہیں:

فرماتے ہیں۔ گناہ کا ذکر حسرت سے ہوتا ہے یا ارادہ سے۔ جب کوئی حسرت اور ندامت سے اپنے گناہ کو یاد کرے تو وہ توبہ کرنے والا ہوتا ہے اور جو ارادہ سے گناہ کو یاد کرے وہ گناہ گار۔ کیونکہ گناہ کرنے میں اتنی آفت نہیں ہوتی جتنی گناہ کا ارادہ کرتے رہنے سے جو ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

فرماتے ہیں۔ توبہ ایک جمالی بھی ہوتی ہے اور ایک جلالی بھی اور اس کا نام توبۃ الانابت اور توبۃ الاستحیاء ہے۔ انابت کا تو یہ مطلب ہے کہ بندہ خدا کے عذاب کے خوف سے توبہ کرے اور استحیاء یہ ہے کہ ادھر اپنے گناہوں کو دیکھے اور ادھر اس کے لطف وکرم اور دریائے رحمت کو اور خود ہی شرم سے غرق ہوتا جائے۔ (64)

مائیم پر گناہ تو دریائے رحمتی
جائیکہ فضل تُست چہ باشد گناہِ ما

جو توبہ خوف کی وجہ سے ہو وہ جلال کے کشف سے ہوتی ہے اور جلالی کہلاتی ہے۔ اور جو حیاء اور شرم کی وجہ سے ہو وہ جمال کے دیکھنے سے ہوتی ہے اور وہ جمالی کہلاتی ہے۔

## بزرگانِ دین نماز کس طرح پڑھتے تھے؟

جس طرح ہم اذان دیتے اور تکبیر کہتے ہیں، جس طرح نماز میں رکوع وسجود اور قیام کا لحاظ اس زمانے میں مسلمان رکھتے ہیں، یہی باتیں پچھلے مسلمانوں اور خلفائے راشدین اور اولیائے کرام میں تھیں۔ مگر ایک بات ہے جو آج نہیں ملتی ہے اور اس زمانے میں عام تھی۔ وہ خلوص نیت اور خدا کو حاضر ناظر جاننا ہے۔ رسمی طور پر نہیں، بلکہ دل کی عاجزی اور فروتنی سے جو رکوع وسجود ہوتا ہے۔ وہ آج عنقا صفت ہے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرِ نیاز بدرگاہ رب العلیٰ جھکاتے تھے

تو ان کے دل میں کانسی کی اس دیگ کی طرح ایک جوش ہوتا تھا۔ جس کے نیچے زور و شور سے آگ جل رہی ہے۔ جب حضرت علیؓ نماز میں مصروف ہوتے تھے تو ان کے بال کپڑے سے سر باہر نکال دیتے تھے اور کانپنے لگ جاتے تھے اور کہتے تھے کہ نماز کے ادا کرنے کے وقت ایک ایسی امانت آتی ہے کہ آسمان اور زمین اس کے اٹھانے سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ حاتم اصمؒ فرماتے ہیں کہ "میں نماز کے وقت دائیں طرف بہشت کو اور بائیں پہلو پر دوزخ کو اور قدموں کے نیچے پل صراط کو دیکھتا ہوں۔ اور ملک الموت کو اپنی پشت پر سوار پاتا ہوں۔"

معلوم ہوتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری ہی سے مسلمانوں کی دینی حمیت بہت کمزور ہو گئی تھی۔ اسی لئے مندرجہ بالا بزرگان دین کی نمازوں کا ذکر کرنے کے بعد حضرت داتا صاحبؒ نے نماز ادا کرنے کی سات شرطیں بیان کی ہیں جن میں سے تین درج کی جاتی ہیں جن کا تعلق ظاہر سے ہے:

1۔ ظاہری و باطنی پاکیزگی اور طہارت۔

2۔ کپڑا پاک ہو اور رزق حلال ہو۔

3۔ نماز گاہ پاک ہو، ظاہر میں آفتوں اور حادثوں سے اور باطن میں فساد اور گناہ سے۔

## زکوٰۃ اور نذر مشائخ کو لینی چاہیے یا نہیں؟

زکوٰۃ کے باب میں حضرت داتا گنج بخشؒ نے ان مشائخ، صوفیاء اور پیران عظام کا بھی ذکر کیا ہے جو زکوٰۃ لے لیتے ہیں یا نہیں لیتے۔ فرماتے ہیں:

> "جن کا فقر اختیاری ہے وہ تو نہیں لیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مال اس لئے جمع نہیں کرتے کہ زکوٰۃ نہ دینی پڑے اور دنیا داروں سے ہم لیتے بھی نہیں تاکہ ان کا ہاتھ اوپر نہ ہو۔ جن کا فقر اضطراری ہے یعنی جو اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔ انہوں نے

زکوٰۃ لے لی ہے اور اس بناء پر کہ مسلمان بھائی کی گردن سے
فرض کے بوجھ کو ہلکا کر دیں اور جب یہ نیت ہو تو ہاتھ نیچے نہیں
بلکہ اوپر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی موافقت کے ساتھ ہے اور خدا
تعالیٰ کے حق کا لینا اس پر واجب ہے بلکہ اگر نہ لے تو قیامت
کے دن اس سے باز پرس ہو گی۔ (66)

پیغمبروں نے بھی خدا کا حق لیا ہے (67) اور اسے اپنے خرچ میں لائے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے امر سے لیتے رہے ہیں۔ پیغمبروں کے بعد دین کے اماموں نے بھی اس طریق کی پیروی کی ہے اور جو لینے والے ہاتھ کو نیچا کہتا ہے وہ غلطی پر ہے۔

## خدا کا نام جواد ہے سخی کیوں نہیں عالم ہے عاقل کیوں نہیں؟

سخی وہ ہوتا ہے جو بخشش اور عطا میں تمیز کرے اور جو کرے اس میں کوئی غرض اور سبب بھی ہو اور یہ بخشش اور عطا کے مقامات کی ابتداء ہے۔

جواد وہ ہوتا ہے جو تمیز نہ کرے اور اس کا ایسا کرنا کسی بے غرضی کے ساتھ ہو۔ اس کی مثال میں حضرت داتا صاحبؒ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ لکھا ہے: کہ وہ ہمیشہ مہمان کو دیکھ کر خوش ہوتے تھے۔ ایک دن ایک گبر مہمان آیا۔ اس سے کہا دوسرے مذہب کے مہمان کے لئے میرے پاس روٹی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا جس شخص کو میں نے ستر سال تک پالا ہے۔ اے ابراہیمؑ! تو اس کو ایک وقت کی روٹی دینے سے نفرت کرتا ہے۔ (68)

جواد کی مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ لکھتے ہیں کہ ان کے پاس جب حاتم کا بیٹا آیا تو انہوں نے اپنی چادر اس کے نیچے بچھا دی تھی اور فرمایا جب کسی قوم کا سخی بزرگ تمہارے پاس آئے تو اس کی عزت کرو۔

غرض آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبوت کی چادر کو ایک کافر کا فرش بنا دیا اور یہ جود کی شان تھی اسی طرح خدا تعالیٰ کو تمام امتیں عالم کہہ سکتی ہیں۔ لیکن عاقل یا فقیہ نہیں کہتیں۔ اس لئے کہ اس کا مرتبہ ان الفاظ سے بہت بلند ہے۔

عورتیں فساد کی جڑ ہیں:

عورتیں گھروں کی زینت ہیں۔ یہ انسانی گاڑی کا دوسرا پہیہ ہیں۔ یہ نہ ہوں تو کچھ بھی نہ ہو۔ خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں فرماتا ہے "یہ تمہارے لئے اور تم ان کے لئے لباس ہو"۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے "تحقیق عورتوں میں سے زیادہ بابرکت عورتیں وہ ہیں۔ جن سے تکلیف کم ہو۔ خوبصورت ہوں اور جن کے مہر تھوڑے ہوں ہمہ یہ مگر بایں" فساد کی جڑ ہیں اور آتش کا پرکالہ۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

"اپنے بعد مردوں کو زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ عورتوں کے سوا میں نے کوئی نہیں چھوڑا"۔

حضرت داتا گنج بخشؒ تو عورتوں کو نہ صرف ظاہری بلکہ باطنی فتنہ بھی قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں: بہشت میں سب سے پہلا فتنہ جو آدم علیہ السلام پر مقدر ہوا ہے اس کا اصل یہی عورت تھی۔ پہلے پہل جو فتنہ دنیا میں ظاہر ہوا۔ یعنی ہابیل قابیل کی لڑائی اس کا سبب بھی یہی ذات شریف تھی۔ اور جب خدا تعالیٰ نے چاہا کہ دو فرشتوں کو عذاب دے تو اس کا سبب بھی عورت ہی کو قرار دیا اور آج کے دن (یعنی حضرت کے زمانہ 365ھ) تک دینی اور دنیاوی فتنوں کے تمام اسباب کا ذریعہ یہی عورتیں ہیں۔(69)

حضرت کے زمانہ کو قریباً نو سو سال گزر چکے ہیں۔ عورتوں کے مکر و فریب میں کچھ ترقی ہی ہوئی ہے کمی نہیں ہوئی اور گو یہ درست ہے۔

نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

مگر کثرت پر نظر کرنے سے اس جنس لطیف سے پناہ ہی مانگنی پڑتی ہے۔ یہ وہ آفت ہے جو بھائی کو بھائی سے۔ بیٹے کو باپ سے جدا کر دیتی ہے (اگر نیکی اور اتفاق کی طرف مائل ہو جائے تو گھر کو بہشت بنا دیتی ہے۔ ورنہ جہنم کا نمونہ بننے میں تو شبہ ہی نہیں۔

O

# حواشی

1۔دوسرے طبقہ کے صوفیاء میں آپ گزرے ہیں، اسم آپ کا احمد بن محمد ہے۔کنیت ابن بغوی ہے۔ آپ کا وطن شہر بغشور ہے۔ جو ہرات اور مرو کے درمیان ہے۔ پیدا آپ بغداد میں ہوئے۔ حضرت سری سقطیؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔ ذوالنون مصریؒ کو دیکھا ہے اور حضرت جنیدؒ کے ہمعصروں میں سے تھے۔ آپ کا انتقال بقول بعض 295ھ میں اور بقول تاریخ یافعی 286ھ میں ہوا ہے۔ حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں: نوری کے انتقال سے آدھا علم جاتا رہا۔ آپ لوگوں سے بہت کم ملتے اور بہت کم مکان سے باہر نکلتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہے کہ میں نے ایک دن نور کی طرف دیکھا۔ پھر میں اس کو ہمیشہ دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہی نور میں خود بن گیا۔

2۔نفحات الانس میں دو بزرگ ایسے ہیں جن کا نام ابوحمزہؒ ہے اور وہ دونوں حضرت ابوالحسن نوریؒ کے زمانہ میں گزرے ہیں۔ ابوحمزہ خراسانیؒ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ عراق کے اکثر مشائخ کے ساتھ رہے ہیں۔ حضرت جنیدؒ کے ہمعصر تھے۔ آپ حضرت جنید اور نوری سے پہلے اور ابوسعید حرار اور ابوحمزہ بغدادی کے بعد 295ھ میں انتقال کر گئے۔ ابوحمزہ خراسانیؒ (جن کا وطن نیشاپور بھی بیان کیا جاتا ہے) وجد اور حال میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ ابوعمر بغدادیؒ کے حالات میں لکھا ہے کہ اصل نام ان کا ابراہیمؒ ہے۔ حضرت سری سقطی کا زمانہ انہوں نے دیکھا ہے، آپ کا انتقال ابوحمزہ خراسانی کے بعد ہوا ہے۔ ابوحمزہ کا قول ہے کہ فقراء کی محبت بہت سخت ہوتی ہے۔ ایک دفعہ آپ طرطوس میں گئے۔ سکر کی حالت میں ایک ایسی بات آپ کے منہ سے نکل گئی جس کا مطلب ظاہر دار لوگ نہ سمجھ سکے اور ان پر حلولی اور زندقی ہونے کے طعن کرنے لگے۔ آخر ان کو طرطوس سے نکال کر ان کے مال مویشی کو لوٹ لیا۔ معلوم نہیں نوریؒ اور رقامؒ کے ہمراہ حضرت نے جس ابوحمزہؒ کا ذکر کیا ہے وہ بغدادی تھی یا خراسانی۔ اگر وہ ان کے وطن کا نام بھی ساتھ ہی لکھ دیتے تو اس قدر مغالطہ نہ پڑتا۔ بہر حال دونوں کا تھوڑا تھوڑا ذکر کر دیا ہے۔

3۔کشف المحجوب میں اصل نام نہیں عرف عمر کا بیٹا ہی لکھا ہے۔

4۔کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص308۔

5۔ایضاً ص309-310۔

6۔کشف المحجوب اردو ترجمہ پروفیسر عبدالمجید یزدانی، ص309-310، لاہور 1968ء

7۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے نام ہیں۔مگر محمدؐ اور احمدؐ زیادہ مشہور ہیں۔حضورؐ کے والد کا نام عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن مناف تھا۔والدہ کا نام آمنہ خاتون۔حضرت سرور کائنات بعہد نوشیروان عادل اس کے جلوس کے اکتالیسویں سال میں بوقت صبح صادق بروز اتوار پیدا ہوئے۔تاریخ پیدائش میں اختلاف ہے۔کوئی ربیع الاول کی آٹھویں کوئی بارھویں کہتا ہے۔سال مسیحی کے حساب سے اپریل 571ء میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد اور والدہ نے عین عالم شباب میں انتقال کر دیا تھا۔بلکہ والد تو آپ کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا گئے تھے۔25 سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کیا۔41 سال کی عمر کے شروع میں 3 یا 8 ربیع الاول کو خلعت نبوت عطا ہوا۔اکیاون سال نو مہینے کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو معراج سے مخصوص کیا۔ربیع الاول دوشنبہ کے دن آپ نے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ میں ہجرت فرمائی۔یہیں سے آغاز سن ہجری ہوتا ہے۔یہ واقعہ 12 جولائی 622ء کے مطابق ہے۔وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعمر 63 سال (اور بقول بعض 64 سال) بتاریخ 12 ربیع الاول 11ھ کو واقع ہوئی۔مدفن پاک مدینہ منورہ ہے۔حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات میں بیسیوں اور سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔اس وقت دنیا میں ایک عرب سے زائد مسلمان آپ کے نام لیوا ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں۔صاحبزادے بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔

8۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچیرے بھائی ہیں۔آپ کا نام علیؓ کنیت ابوالحسن و ابوتراب اور القاب گرامی بہت سے ہیں۔آپ کے والد کا نام ابوطالب بن عبدالمطلب ہے۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعت نبوت عطا ہوا تو دوسرے ہی دن آپ ان پر ایمان لے آئے۔اس وقت عمر آپ کی گیارہ سال کی تھی۔پچیس سال کے سن یا ہجرت کے دوسرے سال آپ کا نکاح حضرت فاطمۃ الزہرہؓ بنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوا تھا۔حضرت عثمان ذوالنورینؓ کی شہادت کے بعد آپ 19 ذوالحجہ 35ھ کو زینت بخش مسند خلافت راشدہ ہوئے۔بعمر 63 سال 21 رمضان المبارک 40ھ کو شہادت فرمائی۔مزار گوہر بار نجف اشرف میں ہے۔آپ کے کئی صاحبزادے اور صاحبزادیاں ہیں۔مگر امام حسنؓ اور امام حسینؓ بہت مشہور ہیں۔

9۔ایضاً 9

10۔کشف المحجوب اردو ترجمہ ص 312 تا 314۔

11۔آل عمران:92

12۔آل عمران:169

13۔البقرہ:7

14۔التوبۃ:93

15۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص40-41

16۔ایضاً،ص55-56

17۔البقرۃ:102

18۔ابن ماجہ:مقدمہ،باب 23

19۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص52-53

20۔فاطر:28

21۔ابن ماجہ:مقدمہ،باب 7

22۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص57

23۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص64

24۔محمد:38

25۔البقرۃ:153

26۔آپ دوسرے طبقے کے صوفیاء میں ہیں،کنیت ابوالقاسم اور لقب قواریری اور زجاج اور خراز ہے۔ وطن اہل نہاوند تھا۔ پیدائش بغداد میں ہوئی۔ مذہب میں ابوثور شاگرد عالم شافعیؒ اور بقول بعض سفیان ثوری کے پیرو تھے۔ سری سقطی حارث محاسبی اور محمد قصابؒ کی صحبت میں رہے ہیں۔ اور ان کے شاگردوں میں سے ہیں۔ صوفیوں کے سردار اور امام اور سید الطائفہ ہیں۔ آپ کی وفات 289ھ اور بقول بعض 290ھ بیان کی جاتی ہے۔ آپ صاحب حال و وجد تھے۔ آپ کے مفصل حالات کتابوں سے مل سکتے ہیں۔

27۔آپ کا نام ابوالعباس عطار ہے۔ آپ کا اور حضرت جنیدؒ کا ایک ہی زمانہ گزرا ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ جنید علم معرفت میں ہمارے امام اور پیشوا ہیں۔

28۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص65

29۔ ایضاً، ص74

30۔ ایضاً، ص86

31۔ آپ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سال دہم بعثت میں ہوا تھا۔ آپ بڑی متقی، فصیحہ اور بلیغہ تھیں۔ کتب صحاح میں دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ آپ نے 17 رمضان 58ھ شب سہ شنبہ کو چھیاسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔

32۔ نام آپ کا عمرؓ لقب فاروق اعظم ہے۔ نبوت کے چھبیسویں سال میں حضرت امیر حمزہؓ کے ایمان لانے کے تین دن بعد آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت صدیق اکبرؓ کی وفات کے بعد 23 جمادی الاخری 13ھ کو مسند خلافت پر رونق افروز ہوئے۔ آپ کے عہد خلافت میں دین اسلام کو بڑی تقویت اور رونق حاصل ہوئی۔ آپ نے تریسٹھ سال کی عمر میں غزوہ محرم الحرام 64ھ میں انتقال فرمایا۔

33۔ آپ 31ھ میں بعہد خلافت حضرت فاروق اعظمؓ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام حسن حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے رکھا تھا۔ آپ کی خلافت و بیعت حضرت علیؓ اور بقول بعض حضرت امام حسنؓ سے بیان کی جاتی ہے۔ 5 رجب 110ھ کو جمعہ کے دن بعہد خلافت ہشام بن عبدالمالک بن مروان خلیفہ دہم بنی امیہ آپ نے وفات پائی۔ مزار بصرہ سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔

34۔ حضرت سلمان فارسیؓ جیسا کہ ان کے نام سے ظاہر ہے ایرانی النسل تھے۔ قبولیت اسلام سے پہلے ان کا نام مایۂ تھا۔ آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں گنجائش نہیں۔

35۔ آپ کا کچھ حال آپ کے معاصرین کے بیان میں لکھا گیا ہے۔

36۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص100

37۔ ایضاً، ص103-104

38۔ ایضاً، ص104

39۔ ایضاً، ص105-106

40۔ البقرۃ:16

41۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص118-119

42۔ آپ کا اصل نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے۔ آپ کا دادا بت پرست تھا۔ بعد میں

مسلمان ہوگیا۔ آپ کی وفات 261ھ میں ہوئی ہے۔ آپ اصحاب رائے واجتہاد تھے۔ لیکن آپ کی ولایت نے مذہب کے کمالات ظاہر نہ ہونے دیئے۔

43۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص 120-121

44۔ ایضاً، ص 119-120

45۔ ایضاً، ص 121

46۔ کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص 125-126

47۔ ایضاً، ص 126-127

48۔ ایضاً، ص 288

49۔ ایضاً، ص 297-298

50۔ ایضاً، ص 298-299

51۔ ایضاً، ص 305-306

52۔ ایضاً، ص 307

53۔ ایضاً، ص 315-316

54۔ ایضاً، ص 399

55۔ ایضاً، ص 318

56۔ ایضاً، ص 316-317

57۔ ایضاً، ص 320-321

58۔ ایضاً، ص 359

59۔ ایضاً، ص 354-355

60۔ ایضاً، ص 378

61۔ ایضاً، ص 378-379

62۔ ایضاً، ص 386-387

63۔ ایضاً، ص 468

64۔ ایضاً، ص 480-481

65۔آپ خراسان کے پرانے مشائخ میں سے ہیں۔احمد خضریہ کے استاد اور شفیق بلخی کے ہمعصر تھے۔ 237ھ میں بلخ کے نواح میں انتقال کیا۔آپ بہرے نہیں تھے مگر عوام میں بہرے مشہور ہو گئے تھے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ ایک بڑھیا سے آپ باتیں کر رہے تھے۔اتفاقاً بڑھیا سے ہوا نکل گئی۔آپ نے فرمایا ذرا اونچی کہو، میں بہرا ہوں۔اس سے مطلب یہ تھا کہ وہ شرمندہ نہ ہو۔اسی دن سے آپ کا نام حاتم اصم مشہور ہے۔

66۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص509

67۔حدیث نبویؐ کے موافق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نذر لے لیا کرتے تھے مگر زکوۃ نہیں لیا کرتے تھے اور یہی حکم آپ کی آل کے لیے بھی ہے۔

68۔کشف المحجوب اردو ترجمہ،ص

69۔ایضاً،ص592

# صوفیوں کی اصطلاحات

## پینسٹھ الفاظ کے عارفانہ معانی

حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ نے شریعت اور حقیقت اور طریقت و معرفت پر جس وضاحت سے کشف المحجوب میں بحث کی ہے، وہ ایک ایسے شخص کے لئے جس کے دل پر مہر نہیں لگ گئی۔ جس کے کانوں پر پردے نہیں پڑ گئے اور جس کی آنکھوں میں بھی طاقت بینائی باقی ہے۔ شرح صدر کا حکم رکھتی ہے۔ شریعت اور حقیقت کا کلام چونکہ اکثر استعارات پر ہوتا ہے اور ان کے لئے خاص خاص الفاظ صوفیاء نے مقرر کر لئے ہیں جن کو عوام بہت جلد نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے حضرت داتا صاحبؒ نے ان الفاظ کے معانی و مطالب بیان کرنے کے لئے اپنی کتاب کشف المحجوب میں تفصیل سے کام لیا ہے۔ جس کو لغات الاصفیاء کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ الفاظ بہت زیادہ ہیں۔ مگر حضرتؒ نے چونکہ اختصار سے کام لے کر صرف پینسٹھ الفاظ کی تشریح کی ہے۔ اس لئے وہی الفاظ یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں:

الحقیقت: واصل بحق ہونے کے عمل میں بندہ کی اقامت کا نام۔

المضر ات: تفریق کے حکموں (یعنی خدا کی نافرمانی) سے جو دل پر گزرے۔

الوطنات: اسرار الٰہی جو متوطن ہو۔

الطمس: عین کی ایسی نفی کہ اس کا اثر رہے۔

الدمس. دل سے عین کی نفی مع اس کے اثر کے۔

العلائق: وہ اسباب و تعلقات جن سے طالب اپنی مراد سے رہ جائے۔ یہ وہی علائق ہیں جن کی نسبت ذوق کہتا ہے۔

ممکن نہیں ہے ذوقِ علائق سے چھوٹنا
جب تک کہ روح کو ہے تعلق بدن کے ساتھ

**الوسائط**: وہ اسباب جن کے تعلق سے طالب اپنی مراد کو پہنچتا ہے۔

**الزاوائد**: دل میں نور کی زیادتی کا ہونا۔

**الفوائد**: اپنے ضروری بھید کو سمجھنا۔

**الملجاء**: دل کا بھروسا مراد کی حضوری پر۔

**البخاء**: آفت کے محل سے دل کا رہائی پانا۔

**الکلیت**: کلیت میں آدمی کی صفتوں کا استغراق۔

**المواتح**: مراد کا ثبوت اس کی نفی کی جلدی سے۔

**اللوامع**: دل پر نور کا ظاہر ہونا مع اس کے فوائد کے۔

**الطّوالع**: دل پر معرفت کے نوروں کا طلوع ہونا۔ اس واردات کا گزرنا جو رات کی مناجات میں بشارت یا تنبیہ سے واقع ہو۔

**الطیفہ**: اشارہ۔

**السر**: دوستی کی باتوں کو پوشیدہ رکھنا۔

**النجوی**: غیر کی اطلاع سے زمانہ کی آفتوں کو چھپانا۔

**الاشارۃ**: غیر کی خبر۔

**الایاء**: بغیر عبارت اور اشارات کے خطاب کی تعریف۔

**الوارد**: دل میں معانی کا نزول وحلول۔

**الانتباہ**: دل سے غفلت کا زائل ہونا اور متنبہ ہونا۔

**الاشتباہ**: حق اور باطل کی پہچان میں جو مشکلات پیش آئیں۔

القرار: حال کی حقیقت سے تر ددات کا دور ہونا۔

الانزعاج: وجد کی حالت میں دل کا حرکت کرنا۔

العالم: خداوند تعالیٰ کی مخلوق سے مراد ہے۔

الحدث: وجود میں متاخر یعنی جو بعد میں ہوا ہو۔

القدیم: جو سابق اور ہمیشہ ہو اور وہ جس کی ہستی سب ہستوں سے پہلے ہو، مراد خدا تعالیٰ۔

الازل: وہ جس کے لئے ابتداء نہیں۔

الابد: وہ جس کا کوئی انجام نہیں۔

الذات: کسی چیز کی ہستی اور حقیقت۔

الصفت: وہ جو قسمت قبول نہ کرے کیونکہ وہ خود بخود قائم نہیں رہتی۔

الاسم: مسمی غیر جو اس کا بیان کرنے والا ہو۔

التسمیۃ: مسمی کا غیر۔

النفی: جو منفی کے عدم کا تقاضا کرے۔

الاثبات: جو مثبت کے وجود کو چاہے۔

السیان: ایک کا وجود دوسرے وجود کے ساتھ روا ہو۔

الضدان: ایک کا وجود دوسرے کے وجود کے باقی ہونے میں ایک حال میں روا نہ ہو۔

الغیران: یہ کہ ہر ایک کا وجود بغیر دوسرے کے روا ہو۔

الجواہر: چیز کا اصل جو بذاتہ قائم ہو۔

الجسم: پراگندہ جزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

العرض: جو جوہر کے ساتھ قائم ہو۔

السوال: حقیقت کا طلب کرنا۔

الجواب: سوال کے مضمون سے خبر دینی۔

الحسن: جوامر کے موافق ہو۔

القبیح: الحسن کا جواب یعنی جوامر کے مخالف ہو۔

السفہ: امر کا ترک کرنا۔

الظلم: کسی چیز کا ایسی جگہ رکھنا جو اس کے لائق نہ ہو۔

العدل: کسی چیز کا اپنی جگہ پر رکھنا۔

الملک: وہ ہے جس کے کئے پر اعتراض نہیں کر سکتے۔

الخاطر: دل میں معنوں کا حاصل ہونا۔

الواقع: وہ امر جو دل پر وارد ہو اور جس کے دفع کرنے کی طالب میں طاقت نہ ہو۔

الاختیار: اپنے اختیار پر خدا کے اختیار کو (خیر وشر میں) اختیار کرنا۔

التحلی: اپنے آپ کو کسی گروہ کی مانند بنانا، بناوٹ سے نہیں بلکہ حقیقت سے۔

التجلی: خدا کے عرفان کے نوروں کی تاثیر

التخلی: ایسے مشاغل سے روگردانی کرنا جو بندہ کو خدا تعالیٰ سے الگ کرتے ہوں۔

الشرور: آفتوں اور حجابوں سے خدا کی طلب اور اس طلب کی بے قراری۔

القصود: مقصود کی حقیقت کے طلب کرنے پر ارادہ کی صحت۔

الاصطناع: سب خطروں اور آفتوں کے دور ہونے سے مہذب بننا۔ یہاں تک کہ نعمتوں کے زوال اور وصفوں کے تبدیل ہونے سے اپنے سے بے خود ہو جائے۔

الاصطفا: حق تعالیٰ بندے کے دل کو اپنی معرفت کے لئے فارغ کرے۔

الاصطلام: خدا کا غلبہ ہے جو لطف امتحان سے ارادہ کی نفی میں بندہ کو اپنا مقہور بنالیتا ہے۔

الرین: دل پر کفر اور گمراہی کا وہ پردہ جو ایمان کے سوا نہیں کھل سکتا۔

الغین: دل کا وہ پردہ جو غلیظ اور خفیف ہوتا ہے اور استغفار سے دور ہو جاتا ہے۔

التلبیس: کسی چیز کو اس کی تحقیق کے خلاف ظاہر کرنا۔

الشرب: طاعت کی شیرینی، کرامت کی لذت اور الفت کی راحت کا نام گروہ صوفیاء نے مشرب رکھا ہے۔

الذوق: ذوق شرب ہی کی طرح ہے۔ شرب راحتوں کے لئے ہے۔ ذوق رنج و راحت دونوں میں شامل ہے۔

## حضرت کے ہمراہیوں کی کیفیت:

جب حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ غزنی سے لاہور جلوہ فرما ہوئے تو آپ کے ساتھ جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے۔ دو اور بزرگ بھی تھے۔ ایک تو خواجہ احمد سرخسیؒ جو سرخس کے رہنے والے تھے اور دوسرے ابوسعید ہجویری جو آپ کے ہم وطن تھے۔ حضرت ابوسعید ہجویریؒ کا حال اس سے زیادہ کچھ اور معلوم نہیں ہو سکا کہ آپ کو حضرت نے کشف المحجوب میں کئی جگہ مخاطب کیا ہے اور آپ ہی کے بعض استفسارات کے جواب میں یہ لاجواب کتاب علم وجود میں آئی ہے۔

دوسرے خواجہ احمد سرخسیؒ ہیں۔ ان سے ایک دفعہ آپ نے پوچھا تیری توبہ کی ابتداء کس طرح ہوئی؟ کہا، ایک مرتبہ میں سرخس سے روانہ ہوا۔ ایک مدت تک ایک جنگل میں اپنے اونٹوں کے ساتھ رہا۔ اس دن میں بہت خوش ہوتا تھا جب خود بھوکا رہ کر اپنے حصہ کی خوراک کسی مسافر یا راہ گیر کو دیا کرتا تھا۔ ایک دن ایک شیر آیا اور میرے ایک اونٹ کو مار کر خود بلندی پر جا بیٹھا اور ایک چیخ ماری جس سے گرد و نواح کے درندے لومڑی، گیدڑ اور بھیڑیئے وغیرہ آ گئے۔ ان کے آنے پر شیر

نے اونٹ کو پھاڑ ڈالا اور پھر بلندی پر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سب جانور اونٹ کا گوشت مزے سے کھانے لگے اور خوب سیر ہو کر چلے گئے۔ پھر شیر نیچے اترا۔ اس غرض سے کہ آپ بھی کچھ کھا لے۔ اتنے میں ایک لنگڑی لومڑی نظر آئی جو اسی طرف آ رہی تھی۔ شیر پھر واپس چلا گیا اور جب وہ بھی کھا کر چلی گئی، تو شیر نے بھی آ کر تھوڑا سا کھایا۔

میں دور سے یہ کیفیت دیکھ رہا تھا۔ شیر میرے نزدیک آیا اور خدا تعالیٰ کے حکم سے گویا ہو کر کہنے لگا۔ اے احمد! لقموں کا ایثار کرنا بھی کوئی ایثار ہے۔ اگر مرد ہے تو اپنی جان کی بھی پرواہ نہ کر۔ لقموں کا ایثار تو حیوانات بھی کر سکتے ہیں۔ تو مرد ہے۔ تجھ کو جوانمردانہ ایثار ہی مناسب ہے۔ احمد سرخسی نے کہا جب شیر سے یہ بات میں نے سنی تو مجھ پر ایثار کے اسرار کھلے اور میں نے دنیا کے تمام شغلوں سے توبہ کر لی اور یہی میری توبہ کا ابتدائی دن تھا۔

حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر انوار میں گنبد کے نیچے دائیں اور بائیں دو چھوٹی قبریں ہیں اور کہا جاتا ہے کہ یہ دونوں قبریں حضرت کے انہی مجاہد ہمراہیوں کی ہیں۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ حضرت داتا صاحبؒ کی زندگی ہی میں ان صاحبان کا انتقال ہو گیا تھا یا بعد میں۔ بہرحال عام طور پر یہ دونوں قبور جن کے درمیان میں حضرت داتا گنج بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر ہے۔ آپ کے ہمراہیوں ہی سے منسوب کی جاتی ہیں۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات:

آخر وہ بھی دن آ گیا کہ اس شہباز طریقت و حقیقت کو علائق دنیوی کے ظاہری دام سے بھی رہا ہونا پڑا۔ کسی کتاب سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کتنے دن

بیمار رہے اور کس مہینے کی کس تاریخ کو آپ نے انتقال فرمایا۔ البتہ عرس آپ کا چونکہ ہر ماہ صفر کی بیس (20) تاریخ کو ہوتا ہے اس لئے خیال یہ ہے کہ اسی تاریخ کو یا کم سے کم اسی مہینے میں آپ کا انتقال ہوا ہوگا۔

سال وفات میں بھی کچھ اختلاف ہے۔ مولانا جامیؒ نفحات الانس میں 465ھ لکھتے ہیں۔ صاحب تذکرۃ الاصفیاء 464ھ۔ حضرت داراشکوہؒ "سفینۃ الاولیاء" میں 466ھ اور رائے بہادر گھنیالال مصنف "تاریخ لاہور" اردو اور خان بہادر سید محمد لطیف مصنف "تاریخ لاہور" انگریزی اور صاحب "فرہنگ آصفیہ" مولوی سید احمد دہلوی سال وفات 465ھ لکھتے ہیں اور غالباً صحیح بھی یہی ہے۔ چنانچہ مزار مبارک کے اندرونی دروازے پر بھی جو قطعہ تاریخ درج ہے اس میں بھی سال وصلش برآئد از سردار (465ھ) لکھا ہے۔

چونتیس سال تک آپ لاہور میں قیام فرما رہے۔ اس عرصہ میں ہزاروں کرامتیں آپ سے ظاہر ہوئی ہوں گی۔ ظاہری و باطنی برکات سے لاکھوں آدمی فیضیاب ہوئے ہوں گے۔ اس زمانے کے علماء، فضلاء اور صوفیائے کرام سے آپ کی ملاقاتیں ہوئی ہوں گی، ان ملاقاتوں سے عجیب عجیب روحانی اور عارفانہ نکات و رموز ظاہر ہوئے ہوں گے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ آپ چونتیس سال تک صرف لاہور ہی میں رہے ہوں جبکہ آپ کی سابقہ زندگی جو غزنی، خراسان، ماوراء النہر اور دیگر مما لک میں گزری ہے ظاہر کرتی ہے کہ آپ کو سیر و سیاحت کا بڑا شوق رہا ہے اور آپ "سیروا فی الارض" کے سختی کے ساتھ پابند رہے ہیں۔ اس لئے آپ نے پنجاب کے دیگر مقامات کو بھی اپنے قدوم میمنت لزوم سے عزت بخشی ہوگی۔ لوگ جوق در جوق آئے ہوں گے چونکہ آپ کی ذات سراپا رحمت تھی اس لئے کنواں ضرور پیاسوں کے پاس گیا ہوگا۔ وہ تشنہ لب سیراب ہوئے ہوں گے اور ہزارہا بندگانِ خدا جو تاریکی و

جہالت اور بے علمی کی وجہ سے بت پرستی میں مصروف تھے۔ وحدانیت کے سایہ میں آئے ہوں گے۔ افسوس ہے کہ چونتیس سال کے واقعات پردہ گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں جو اگر ظاہر ہو جاتے تو یقیناً مسلمانوں اور خدا پرستوں کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوتے۔

465ھ میں جب حضرت کا انتقال ہوا ہے تو سلطان ظہیر الدولہ و نصیر الملت رضی الدین سلطان ابراہیم تخت غزنی پر متمکن تھا اور لاہور اور پنجاب بھی اسی کے زیر نگیں تھے۔ سلطان ابراہیم 450ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کی وفات بقول بعض 486ھ اور بقول بعض روایات 492ھ بیان کی جاتی ہے۔ یہ بادشاہ بڑا عابد، زاہد اور متقی تھا۔ لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا تھا۔ جیسا کہ اپنی جگہ اس کا ذکر آئے گا۔

### تاریخ ہائے وفات حضرت داتا گنج بخشؒ:

مزار کی اندرونی ڈیوڑھی پر جس کی مینا کاری کا کام اب بھی اس کی قدامت اور مٹی ہوئی شوکت کو ظاہر کر رہا ہے۔ اور حسب ذیل قطعہ سنگ مرمر پر لکھا ہوا ہے۔

ایں روضہ کہ بائیش شدہ فیض است
مخدوم علی راست کہ باحق پیوست
در ہستی ہست نیست شد ہستی یافت
زاں سال وصالش افضل آمد او ہست

465ھ

ڈیوڑھی سے اندر داخل ہوتے ہی صحن مزار اور مسجد کا جو دروازہ ہے۔ اس پر لکھا ہوا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خانقاہ علی ہجویری ست
خاک جاروب از ورش بردار
طوطیا کن بدیدہ حق بین
تاشوی واقف در اسرار
چونکہ سردار ملک معنے بود
سال وصلش بر آید از سردار

465ھ

یہ دونوں قطعات تاریخ جو حضرت کے مزار پر کندہ ہیں۔ بہت پرانے زمانے کے معلوم ہوتے ہیں۔ صاحب قطعہ نے اپنا نام کہیں نہیں لکھا اور نہ "سفینۃ الاولیاء"، "تاریخ لاہور" اور دیگر کتابوں میں یہ ذکر ہے کہ یہ قطعات کس کی تصنیفات سے ہیں۔

البتہ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ پہلا قطعہ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف سے ہے۔ مگر خود مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں حضرت داتا گنج بخشؒ کا ذکر کرتے ہوئے اس قطعہ کو نہیں لکھا۔ دربار کے مجاور بھی اس قطعہ کو مولانا جامیؒ ہی سے منسوب کرتے ہیں۔

"گنج تاریخ" میں مفتی غلام سرور لاہوریؒ نے حضرت کے انتقال پر بہت سی تاریخیں لکھی ہیں۔ تحقیقات چشتی میں بھی مولوی نور احمد چشتی نے اپنے والد مولوی احمد بخش یکدل اور مولوی غلام فرید قریشی کے کئی قطعات لکھے ہیں۔ جو حضرت داتا گنج بخشؒ کی وفات کے متعلق ہیں۔ یہاں صرف ایک قطعہ مولوی یکدل صاحب کا لکھا جاتا ہے۔

شیخ عالی علی ہجویری بود مخدوم ہر صغار و کبار

ہست۔ سردار۔ زیور لاہور طرفہ تاریخ وصل آں سردار
465ھ 465ھ 465ھ
لفظ "ہست" اور "سردار" اور "زیور لاہور" سے علیحدہ علیحدہ 465ھ نکلتا ہے۔(1)

## حضرت داتا گنج بخش کی تصویر:

تصویر بنانے والوں نے یوں تو حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت عیسیٰؑ، حضرت علیؓ اور حضرت پیران پیر تک کی تصویریں بنا لی ہیں۔ لیکن حضرت علی مخدوم ہجویری المعروف حضرت داتا گنج بخشؒ کی تصویر چونکہ ایک ایسے ماہوار رسالہ (2) میں شائع ہوئی ہے جس کے دو ایڈیٹروں میں سے ایک بی۔اے اور بیرسٹر اور ایک ایم۔اے ہے۔ اس لئے توقع تھی کہ وہ تصویر کی تشریح میں بتائیں گے کہ یہ تصویر کہاں سے حاصل کی گئی۔ ان کی زندگی میں بھی بنی تھی یا ان کے بعد۔ حضرت داتا گنج بخشؒ جو ولی کامل اور شریعت کے سختی سے پابند تھے۔ کیا وہ اپنی زندگی میں تصویر کشی کی اجازت دے سکتے تھے۔ یا اگر ان کے بعد بنی ہے تو کیا وہ اصل تصویر ہے۔ لیکن افسوس ہے تصویر کے متعلق کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی۔ تصویر میں جو لباس دکھایا گیا ہے وہ اس لباس سے بالکل مختلف ہے جو حضرت استعمال کیا کرتے تھے۔ نیچے سفید کرتہ ہے جس کی لمبی لمبی آستینیں ہیں۔ اس کے اوپر کوٹ ہے جس کو ہم پیراہن یا خرقہ یا مرقعہ کہنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ چھینٹ کی قسم کا ایک خوبصورت کپڑا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ حضرت گودڑی بھی سخت کپڑے کی پہنا کرتے تھے۔ آپ اس تصویر میں گاؤ تکیہ کے سہارے اس انداز سے بیٹھے ہوئے ہیں جیسے کسی کو تصویر کھنچوانے سے پہلے تیار کر کے بٹھایا جاتا ہے۔ سر پر سفید پگڑی ہے جس کی بندش کشمیری پنڈتوں کی پگڑیوں سے ملتی جلتی ہے۔ حضرت نے خود ایک جگہ فرمایا ہے کہ صوفی لوگ (جن کو زینت کا خیال

نہیں ہے ) سفید لباس کو نہیں پہنتے۔ کیونکہ دھونے کی تکلیف رہتی ہے۔ بلکہ نیلگوں یا نیل خورہ کپڑے استعمال کرتے ہیں۔ حضرت کی نسبت کبھی زینت کرنے کا خیال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ وہ اپنے پاس کل جائداد جب ایک گودڑی۔ ایک عصاء اور ایک چمڑے کے لوٹے سے زیادہ نہیں رکھتے تھے اور جب لڑکوں کو پڑھانا محض اس بناء سے ترک کردیتے ہیں کہ اس میں حکومت اور بادشاہی کی بو پائی جاتی ہے، ان سے کب یہ توقع ہوسکتی ہے کہ وہ اعلیٰ قسم کے کپڑے کے گاؤ تکیے رکھیں اور چھینٹ کی قسم کے کپڑے استعمال کریں۔ ہمارے خیال میں یہ تصویر بالکل فرضی ہے اور حضرت کے بہت زمانہ کے بعد بنائی گئی ہے۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ کے اقوال اور کلمات طیبات:

حضرت داتا گنج بخشؒ کی زبان مبارک کا ایک ایک لفظ گوہر آبدار ہے۔ دنیا داروں اور دین داروں کے لئے انہوں نے کلمات طیبات کا ایک لازوال خزانہ اپنی یادگار میں چھوڑا ہے۔ کوئی عمل کرنے والا ہو تو بقول شخصے

اگر در خانہ کس است حرفے بس است

ایک ہی لفظ کافی ہے۔

ہم طالبان حق کی روحانی غذا کے لئے آپ کے وہ کلمات اور اقوال یہاں درج کرتے ہیں جو کشف المحجوب اور کشف الاسرار سے منتخب کئے گئے ہیں۔

(1) حال وہ حقیقت ہے جو خدا کی طرف سے انسان کے دل میں آتی ہے۔ جب آئے تو اسے دور نہیں کرسکتے اور جب جائے تو اسے حاصل نہیں کرسکتے۔

(2) نفس کی مخالفت سب عبادتوں کا اصل اور سب مجاہدوں کا کمال ہے۔

(3) یہ ضروری نہیں کہ جو زیادہ مجاہد ہو وہ زیادہ امن میں ہو۔ بلکہ جس پر خداتعالیٰ

کی زیادہ عنایت ہوتی ہے وہی قرب الٰہی کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ بقول

چاہے تو ڈال دے وہ دوزخ میں زاہدوں کو
کس وہم میں پڑے ہیں وہم و گمان والے

(4) نفس ایک باغی کتا ہے۔ کتے کا چمڑا جب تک دباغت اور رنگ نہ کیا جائے، پاک نہیں ہوتا۔

(5) تصوف اور معرفت کے طریقہ کی بنیاد اور قاعدہ سب ولایت اور اس کے اثبات پر ہے۔

(6) جو ولی کی معرفت کے نہ ہونے کے قائل ہیں۔ ان کا قول معتبر نہیں۔

(7) کرامت ولی کے صدق کی علامت ہے۔

(8) ولی مخصوص ہے کرامتوں سے اور نبی معجزوں سے۔

(9) پیغمبر کی بزرگی اور رتبہ کی بلندی صرف معجزہ ہی سے نہیں۔ بلکہ عصمت کی صفائی سے ہے۔

(10) سب نبی ولی ہوتے ہیں مگر ولیوں میں سے کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔

(11) اپنے سے غائب ہونا حق کی حضوری ہے اور حق کی حضوری سے اپنی غیبت۔

(12) روح ایک لطیف شے ہے جو خدائے بزرگ و بلند کے حکم سے آمدورفت رکھتی ہے۔

(13) جب کوئی قدیم کو محدث سے نہیں پہچانتا تو جو کچھ وہ کہتا ہے اپنی گفتار میں جاہل ہوتا ہے۔

(14) عارف عالم بھی ہوتا ہے مگر ضروری نہیں کہ عالم بھی عارف ہو۔

(15) بندہ کے لئے سب چیزوں سے مشکل خدا کی پہچان ہے۔

(16) جس کو خدا گمراہ کر دے اس کو کوئی راستہ پر نہیں لا سکتا اور جس کو خدا سیدھی

راہ دکھادے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔

(17) خدا کے راستہ کے سالکوں کا پہلا مقام توبہ ہے۔

(18) محبت حال ہے اور حال کبھی قال نہیں ہوتا۔ یعنی اگر محبت زبردستی پیدا کرنا چاہو تو نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ عطائے الہیٰ ہے یہاں زور وزر کا کام نہیں۔

نہ بزور و نہ بزاری نہ برزے آید

(19) علم سے بے پرواہی کرنا محض کفر ہے۔

(20) مشاہدہ مردوں کا میدان ہے اور مجاہدہ لڑکوں کا کھیل ہے۔

(21) بوڑھوں کو چاہیے کہ وہ جوانوں کا پاس خاطر کریں۔ کیونکہ ان کے گناہ بہت کم ہیں۔ اور جوانوں کو چاہیے کہ بوڑھوں کا احترام کریں۔ کیونکہ وہ ان سے زیادہ عابد اور زیادہ تجربہ کار ہیں۔

(22) غذا کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ طبیعتوں کا برقرار رکھنا کھانے اور پینے کے بغیر ممکن نہیں ہے لیکن شرط مروت یہ ہے کہ حد سے زیادہ نہ بڑھ جائے۔

(23) مجردوں کو چاہیے کہ وہ ناشائستہ اوامر سے اپنی آنکھ بچائیں اور جو چیزیں دیکھنے کے لائق نہ ہوں۔ ان کو نہ دیکھیں اور جو سوچنے کے لائق نہ ہوں ان کو نہ سوچیں۔

(24) فقیر کو مناسب ہے کہ بادشاہوں کی ملاقات کو سانپ اور اژدہاؤں کی ملاقات کے برابر سمجھے۔ (بشرطیکہ وہ ملاقات) اپنے نفس کے لئے ہو۔

(25) خواہ کافروں کی سی ٹوپی سر پر رکھ مگر سچا فقیر بن۔

حاجت بہ کلاہ برگی داشتنت نیست

درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

(26) فقیر کی معرفت، آزمائش اور پہچان) کے لئے سیر دنیا سے بہتر کوئی ذریعہ

نہیں۔

(27) پروانہ ہمیشہ شمع پر ہی جاتا ہے۔ پس اگر پروانہ کی طرح یہ جان بھی اسی (شمع حقیقت) کے غم میں جل مرے تو بڑی بات ہے۔

(28) آنکھوں سے پانی بہا اور خوشی تھوڑی کر۔

(29) تحفہ وہدیہ وخیرات وغیرہ کے طور پر جو چیز (بے طلب) خود بخود حاضر ہو، اسے رد نہ کر۔

(30) اگر کسی مزار پر سے گزر رہو تو کچھ پڑھ کر بخش تا کہ صاحب مزار کو خوشی حاصل ہو اور وہ بھی تیرے حق میں دعا کرے۔

(31) اگر کسی کی ایک کھجور کی گٹھلی بھی تجھ پر نکلتی ہو، اس سے سبکدوشی حاصل کر۔

(32) ماں باپ کو اپنا قبلہ سمجھنا چاہیے۔ جیسا کہ تفاسیر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔

(33) اگر تم ہفت ہزاری بھی ہو جاؤ تو کیا بنے گا۔ آخر وہ مٹھی بھر خاک ہی رہو گے۔

(34) سچ جانو! کہ تم ناپاک منی کا صرف ایک قطرہ ہو، پھر اس تکبر ونخوت سے کیا حاصل۔

(35) اے دانا! ہما ہمی کے خیال کو اپنے دل سے نکال اور مرد مسافر ہو جا۔

(36) بیگانوں کا حق اپنے پاس نہ رکھ۔

(37) مال کی محبت کو عذاب سمجھ کر فاقہ کشوں (اور مستحقوں) پر لٹاتا رہے اور یہ سب کچھ اس دن سے پہلے کر جبکہ قبر میں تجھے کیڑے کھا جائیں گے۔

(38) دنیا کے ساتھی (ہاتھ، پاؤں، آنکھیں) جو ظاہر میں دوست نظر آتے ہیں، دراصل تیرے دشمن ہیں۔

(39) استاد کا حق ضائع نہ کر۔

(40) حرام کے لقمہ سے پرہیز کر۔

(41) جہاں بے عزتی ہو وہاں نہ جا۔

(42) دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں:
1۔ گناہوں کو توبہ 2۔ رزق کو جھوٹ 3۔ نیک اعمال کو غیبت 4۔ عمر کو غم 5۔ بلاؤں کو صدقہ 6۔ عقل کو غصہ 7۔ سخاوت کو پشیمانی یعنی دے کر بعد میں پچھتانا 8۔ علم کو تکبر 9۔ بدی کو نیکی 10۔ ظلم کو عدل۔

(43) فقیر کو چاہیے کہ مرشد ہی کی حضوری رکھے۔ مرشد وہ ہوتا ہے جو دریائے معرفت کا غوطہ خور ہو نہ کہ کنارہ پر رہنے والا۔

(44) مرید کو بیعت کرتے وقت اپنے زہد و ریاضت کی قوت کو دیکھ لینا چاہیے۔ ورنہ اس کے دونوں جہان خراب ہو جائیں گے۔

(45) الٰہی علی کو پہلے شکر کا خزانہ بخش اور پھر فقر کی دولت عطا فرما۔ پہلے اسے کدورت سے پاک کر اور پھر اپنا بھید مرحمت فرما۔ پہلے صبر کی لذت عنایت کر۔ اور پھر رنج و بیماری بھی بخش۔

(46) مبتدی کو چاہیے کہ راگ اور سماع سے پرہیز کرے۔ کیونکہ یہ رستہ اس کے لئے بہت مشکل ہے۔

(47) بادشاہ دین پناہ جو زور و ظلم کے اکھاڑنے والا اور رعیت کے نفع و ضرر کو جاننے والا ہو، اس کی تعریف فقیر کو شایاں ہے۔

(48) بھید کو نہ کھول اور نماز کو نہ بھول۔

(49) اولیاء، خدا کے رحم اور غضب کے اظہار کا ذریعہ اور احادیث نبویؐ کی تجدید کا باعث ہیں۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ کے معاصرین:

حضرت داتا گنج بخشؒ نے (جیسا کہ قبل ازیں لکھا جا چکا ہے) اپنی عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر کیا ہے، وہ سیاحت کے بڑے شوقین تھے۔ اپنے مریدوں کو بھی درویش بننے کے لئے سیر و سیاحت ہی کی ہدایت کرتے تھے۔ غزنی تو آپ کا گھر ہی تھا وہاں بھی جو مشائخ تھے ان کی خدمت میں آپ گئے ہیں۔ مگر شام، فارس، بغداد، عراق، آذربائی جان، خراسان، کرمان اور ماوراءالنہر میں بھی جن بزرگان دین سے آپ ملے ہیں اور جو آپ کے زمانے میں گزرے ہیں۔ ان کی تفصیل آپ نے لکھی ہے اور وہ نام ذیل میں درج ہیں:

### صوفیائے شام و عراق:

1۔ شیخ ذکی: علاءؒ کے بیٹے تھے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو محبت کا ایک شعلہ پایا۔
2۔ ابوجعفر محمد صید لانیؒ: مصباحؒ کے بیٹے تھے۔ صوفیائے عظام میں سے تھے۔ حسین بھی منصورؒ سے ان کا بڑا رابطہ تھا۔ صاحب تصانیف تھے۔
3۔ ابوالقاسمؒ: آپ گڈریئے تھے۔ با مجاہدہ اور نیک حال پیر تھے۔ (3)

### صوفیائے اہل فارس:

1۔ ابوالحسنؒ: سابعہؒ کے بیٹے شیخ الشیوخ تھے۔ شیراز میں رہتے تھے۔ آپ کی وفات 473ھ میں ہوئی۔
2۔ ابواسحاقؒ: شہریار کے بیٹے شیخ مرشد کے نام سے بھی موسوم تھے۔
3۔ ابوالحسنؒ: بکران کے بیٹے اوہ طریقت کے شیخ تھے۔ صوفیوں کے بزرگوں میں ان کا بڑا درجہ تھا۔
4۔ شیخ ابومسلم ہرویؒ: طریقت کے زندہ کرنے والوں میں سے تھے۔

5۔ شیخ ابوالفتح سابعہؒ۔

6۔ شیخ ابوطالب مرویؒ۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے فارس کے مندرجہ عنوان صوفیاء میں سے صرف شیخ الشیوخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ مرشد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کو نہیں دیکھا۔(4)

آذربائی جان اور اہل کوہستان طبرستان کے صوفیاء:

1۔ شیخ شفق فرخ رحمۃ اللہ علیہ۔ معروف باخی زنجانیؒ۔ نیک خو اور ستودہ طریقت گزرے ہیں۔

2۔ شیخ انذدینؒ۔ گروہ صوفیاء کے بزرگوں میں سے ہیں۔

3۔ ماوشا طالبؒ۔ خدا کے راستے میں بڑے ہوشیار تھے۔

4۔ شیخ عبداللہ جنیدیؒ۔ ان کے متعلق لکھتے ہیں۔ میرے رفیق تھے۔ اور (خلق اللہ) کے محترم پیر۔

5۔ شیخ ابوطاہرؒ۔ بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔

6۔ خواجہ حسن سمنانیؒ۔ خدا کے عشق میں گرفتار اور مرد آدمی تھے۔

7۔ شیخ سھلکیؒ۔ بہت شفقت کرنے والے درویشوں میں سے تھے۔

8۔ احمدؒ۔ شیخ خرقانیؒ کے بیٹے۔ بڑے نیک لڑکے تھے (معلوم ہوتا ہے جوانی ہی میں انتقال ہو گیا ہوگا)۔

9۔ ادیب کمندیؒ۔ زمانہ کے سرداروں میں سے تھے۔ بیس (20) سال تک کھڑے رہے تھے۔(5)

صوفیائے کرمان:

1۔خواجہ علیؒ۔ حسین برکلاؒ کے بیٹے تھے۔وقت کے سیاحوں میں پاکیزہ خصلتیں رکھتے تھے۔

2۔شیخ محمد بن سلمہؒ۔ ان کی ولایت پوشیدہ رہی ہے۔بہت بڑے بزرگوں میں سے تھے۔(6)

صوفیائے خراسان:

1۔ابوالعباس سرنائیؒ مجتہد شیخ تھے۔

2۔خواجہ ابو جعفر محمدؒ۔علی حواری کے بیٹے تھے۔اس گروہ کے بزرگوں اور محققوں سے گزرے ہیں۔

3۔خواجہ ابو جعفر طرشیزیؒ۔وقت کے عزیزوں میں سے گزرے ہیں۔

4۔خواجہ محمود نیشاپوریؒ۔پیشوائے وقت تھے۔

5۔شیخ محمد معشوقؒ۔زندگانی نیک رکھتے تھے اور وقت خوش۔

6۔حمزۃ الحبؒ۔نیک باطن اور محترم تھے۔

7۔خواجہ رشید مظفرؒ بن شیخ ابو سعیدؒ۔قوم کے مقتداء اور دلوں کے قبلہ تھے۔

8۔خواجہ شیخ احمد عمادی سرخسیؒ۔وقت کے بہادر اور ایک مدت تک حضرت داتا گنج بخشؒ کے رفیق رہے ہیں۔فرماتے ہیں۔میں نے ان کے کاموں سے بہت سے عجائبات دیکھے ہیں۔جوانمرد صوفیوں میں سے تھے۔

9۔شیخ احمد بخاد سمرقندیؒ۔مرو میں ان سے ملاقات ہوئی۔وہیں ان کا قیام رہا کرتا تھا۔اپنے زمانہ کے باطنی سلطان تھے۔

10۔شیخ ابوالحسنؒ۔ابو علی کے بیٹے تھے۔ہمت کی بلندی اور فراست کے صدق میں

اپنے زمانہ میں عدیم النظیر تھے۔

سرزمین خراسان کو آپ نے طریقت کا اقبال اور محبت کا آفتاب لکھا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے خراسان میں تین سو بزرگوں کو دیکھا ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند ایک کا ذکر کیا ہے۔(7)

صوفیائے ماورالنہر:

1۔ ابو جعفر محمدؒ۔ حسن حرئی کے بیٹے اور مقبول امام تھے۔
2۔ خواجہ محمد القریؒ۔ فقیہ تھے اور قوی معاملہ۔
3۔ احمد ایلاقیؒ۔ وقت کے شیخ تھے اور زمانہ کے بزرگ اور رسموں اور عادتوں کے تارک۔
4۔ خواجہ حارثؒ۔ اپنے زمانہ کے سرتاج تھے۔
5۔ علیؒ۔ ابو اسحاق کے بیٹے تھے۔ زمانہ کے خواجہ اور محتشم۔(8)

صوفیائے غزنی:

1۔ ابوالفضلؒ۔ اسدی کے بیٹے۔ پسندیدہ بزرگ تھے۔ ان کی کرامتیں بہت مشہور ہیں۔ ان کے زمانہ کے لوگ شریر تھے۔
2۔ اسماعیل تاشیؒ محتشم پیر تھے۔ طریقہ ملامتیہ کے پیرو تھے۔
3۔ سالاد طبریؒ۔ صوفی عالموں میں درجہ اختصاص رکھتے تھے۔
4۔ ابو عبدالہ معروفؒ۔ خدا کی درگاہ کے مستوں میں سے تھے اور اپنے زمانہ میں لاثانی۔ ان کی ولایت لوگوں پر پوشیدہ رہی۔
5۔ سعید عیارؒ۔ ابی سعید کے بیٹے۔ طویل العمر اور حدیث کے حافظ تھے۔ بہت شیخوں کو دیکھا۔ قوی حال تھے اور باخبر۔ لیکن لوگوں کو اپنی ولایت سے بے خبر رکھا۔

6۔ ابو العلا عبد الرحیمؒ۔ قوم کے عزیز اور زمانہ کے سردار تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں۔ میرے دل کو ان سے بڑی محبت ہے۔ تمام علوم سے کامل آگاہ اور بڑے وقار اور حرمت والے تھے۔

7۔ شیخ اوحدؒ۔ محمد جزویری کے بیٹے تھے۔ طریقت کے لوگوں سے بڑی شفقت رکھتے تھے۔ (9)

متفرقات نفحات الانس مولانا جامیؒ سے:

1۔ شیخ ابو القاسم گرگانیؒ۔ ان کی نسبت تین واسطوں سے حضرت جنیدؒ تک پہنچتی ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ایک مرتبہ ان کو ملنے کے لئے گئے تو آپ ستون سے باتیں کر رہے تھے۔ شیخ ابو القاسمؒ اور شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ کی طوس میں باہم ملاقات ہوئی ہے۔

2۔ شیخ ابو القاسم قشیریؒ۔ صاحب تصانیف تھے۔ ربیع الاخر 465ھ میں وفات پائی۔ ابتدائے حال میں جب آپ پتھر کو ہاتھ لگاتے تو وہ جواہر بن جاتا تھا۔ آپ عربی اور فارسی کے شاعر بھی تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ نے ان سے ملاقات بھی کی ہے۔

3۔ شیخ ابو العباس شقانیؒ۔ آپ کا نام احمد بن محمد ہے۔ اصول و فرع کے امام تھے۔ حضرت داتا صاحبؒ فرماتے ہیں۔ بعض علوم میں میرے استاد تھے۔ شرع کے نہایت عالم تھے۔ مجھے ان سے بہت محبت تھی۔ اور وہ بھی مجھ پر شفقت ظاہر فرمایا کرتے تھے۔

4۔ باب فرغانیؒ۔ نام عمر ہے۔ فرغانہ میں رہتے تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ فرغانہ میں جا کر آپ سے ملے ہیں۔ آپ کی کرامتیں ظاہر تھیں۔ حضرت داتا صاحبؒ آپ کو (اوتاد الارض) یعنی زمین کی میخیں کہا کرتے تھے۔ تمام بزرگ آپ کو باب کے نام سے پکارا کرتے تھے۔

5۔ شیخ ابو سعید ابو الخیرؒ۔ اصل نام فضل اللہ بن ابی الخیر ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے، بقول بعض آپ سے بھی فیض حاصل کیا ہے۔ اپنے زمانہ کے تمام مشائخ ان کے

گرویدہ تھے۔ان کے پیر طریقت شیخ ابوالفضل بن حسن سرخسیؒ ہیں۔نیشاپور میں آپ کا قیام تھا۔آپ کی بہت سی رباعیات فارسی مشہور ہیں۔جو بطور وردووظائف پڑھی جاتی اور دافع آفات و بلیات بیان کی جاتی ہیں۔نفحات الانس میں آپ کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔4 شعبان 440ھ کو آپ کی وفات ہوئی۔عمر آپ کی ہزار مہینہ بیان کی جاتی ہے۔اس حساب سے آپ کی پیدائش 357ھ میں ہوئی تھی۔

6۔حکیم سنائی غزنویؒ۔ یہ بزرگ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں صوفیوں میں سے نامی شاعر تھے۔نفحات الانس میں ان کا سال وفات 525ھ لکھا ہے۔

سلطان محمود کا انتقال 421ھ میں ہوا ہے۔اس کی عمر قریباً 63 سال کی تھی۔ وہ تیس سال کی عمر میں تخت نشین ہوا تھا۔اس حساب سے حکیم سنائی کی عمر کا اندازہ ایک سو چالیس اور ڈیڑھ سو سال کے درمیان سمجھنا چاہیے۔آپ حضرت داتا صاحبؒ سے کئی سال پہلے پیدا ہوئے اور ان کے انتقال کرنے کے 104 سال بعد وفات پائی۔

حکیم سنائی نے ایک قصیدہ رائیہ "حدیقۃ الحقیقت" اور تین اور مثنویاں لکھی ہیں۔"حدیقۃ الحقیقت" سال وفات 525ھ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے۔آپ کی توبہ کا عجیب واقعہ مشہور ہے۔لکھا ہے کہ سلطان محمود ایک دفعہ سردی کے موسم میں ہندوستان کی چڑھائی پر آمادہ ہوا۔حکیم سنائی قصیدہ سنانے اور صلہ حاصل کرنے کے لئے جا رہا تھا۔راستے میں ایک شراب خانہ کے پاس ایک مجذوب کو دیکھا۔وہ ساقی سے کہہ رہا تھا کہ ایک پیالہ بھر کر دے کہ محمود کے نام پر اس کو پی جاؤں۔ساقی نے کہا کہ وہ مرد غازی اسلام کا بادشاہ ہے۔ایسا کیوں کہتے ہو۔کہا جو کچھ اس کے حکم کے نیچے ہے اس کو تو سنبھال نہیں سکتا اور آگے دوڑا جاتا ہے"۔

پھر کہا کہ ایک پیالہ سنائی کی قبر کے لئے درکار ہے۔ساقی نے کہا وہ تو ایک فاضل لطیف الطبع شاعر ہے۔کہا، اگر لائق ہوتا تو کسی اچھے کام میں مصروف ہوتا۔وہ تو

بے ہودہ گوئی میں مشغول ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کو خدا تعالیٰ نے کس کام کے لئے پیدا کیا ہے؟ سنائی یہ حال سن کر لرز گیا۔ اسی وقت حالت بدل گئی اور غفلت کی مستی سے ہوشیار ہو گیا۔

## سلطان ابراہیم غزنوی کی طرف سے حضرت کے مزار کی تعمیر:

جمال الدولہ فرخ زاد غزنوی کی 6 سالہ حکومت کے بعد جب سلطان ابراہیم کو (جو سلطان محمود کا برادر زادہ اور سلطان مسعود کا بیٹا تھا اور قید خانہ میں تھا) تخت و تاج ملا تو اس نے سلجوقیوں سے جنہوں نے اس کے پیشرو جانشینوں کو امن و چین سے محروم کر رکھا تھا، مصالحت کر لی۔ اور چونکہ سلطنت کی اندرونی خرابیوں کی وجہ سے بیرونی انتظام بگڑ رہا تھا۔ اس لئے 472ھ میں یعنی حضرت داتا گنج بخشؒ کے انتقال کے آٹھ سال بعد وہ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوا۔

جب لاہور پہنچا تو حضرت علی مخدوم ہجویری غزنوی عرف حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر بھی حاضر ہوا اور حکم دیا کہ جس پایہ کے یہ بزرگ ہیں اسی درجے کا ان کا مزار بھی بنایا جائے۔

اگرچہ اب مزار کا احاطہ کچھ بہت بڑا نظر نہیں آتا لیکن جن کی نظر مرور زمانہ کے حالات پر رہتی ہے۔ ان سے مخفی نہیں ہے کہ جو مزار بادشاہ کے حکم سے بنایا جائے اور ایسے عالی جاہ محبوب خالق و خلائق کا بنایا جائے۔ جیسے کہ حضرت داتا صاحبؒ تھے۔ اس کی وسعت کہاں تک نہ ہوگی۔ اب بھی آثار سے پایا جاتا ہے کہ اس مزار میں بہت سی زمین شامل تھی۔ جو رفتہ رفتہ ظالم حاکموں اور سنگدل لوگوں کی ناخدا ترسیوں کی وجہ سے کم رہ گئی ہے۔

چبوترہ اور نواح مزار سلطان ابراہیم ہی کے زمانہ کا ہے۔ تعویذ مزار جو ڈیڑھ درعہ طول اور سات درعہ عرض کا ہے۔ ایک ہی پتھر کا بنا ہوا ہے۔ خدا جانے یہ تختہ سنگ

مرمر جس سے یہ تعویذ نکالا گیا ہوگا، کس قدر بڑا ہوگا۔

## حضرت کی خانقاہ پر بادشاہوں کی حاضری:

سب سے پہلا بادشاہ جو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر آیا وہ سلطان ابراہیم غزنوی تھا۔ اس وقت حضرت کی وفات کو صرف آٹھ سال گزرے تھے۔ اس کے بعد اس کا بیٹا علاء الدولہ مسعود 492ھ میں تخت پر بیٹھا۔ وہ خود تو ہندوستان نہیں آیا۔ لیکن اس کے امیر عضد الدولہ اور طغا تگین جو یکے بعد دیگرے سپہ سالار ہندوستان نامزد ہوئے لاہور میں متمکن رہے۔ حضرت کے مزار پر آتے رہے۔ اس کے بعد 508ھ میں اس کا بیٹا سلطان الدولہ ارسلان شاہ تخت پر بیٹھا۔ وہ 510ھ میں سلطان سنجر سے شکست کھا کر ہندوستان میں چلا آیا۔ گو تاریخ نے صاف طور پر نہیں لکھا کہ وہ کہاں آ کر مقیم ہوا۔ مگر غزنوی بادشاہوں کے تمام نائبوں کا جو ہندوستان پر متمکن ہوتے تھے۔ لاہور ہی چونکہ دارالخلافہ ہوتا تھا۔ اس لئے ارسلان شاہ بھی یقیناً لاہور ہی میں آیا ہوگا اور یہ ناممکن تھا کہ وہ غزنوی ہو کر اپنے بڑوں کی تقلید نہ کرتا اور حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار پر حاضر نہ ہوتا۔

ارسلان شاہ کے بعد سلطان معز الدولہ بہرام شاہ بن مسعود تخت پر بیٹھا۔ اور جب وہ اپنے سپہ سالار ہند محمد باہیم کی گوشمالی کے لئے جس نے ارسلان شاہ کی حمایت میں علم بغاوت بلند کر لیا تھا۔ 511ھ میں لاہور آیا تو اس کو قید کرنے کے بعد حضرت کے مزار پر بھی حاضر ہوا۔

اسی بادشاہ کے زمانے میں غزنوی سلطنت پر زوال آیا۔ اور غوریوں نے عروج حاصل کر لیا۔ اس کا بیٹا خسرو شاہ لاہور ہی میں تخت پر بیٹھا۔ کیونکہ غزنی میں غوریوں کا عمل دخل تھا۔ خسرو شاہ اور اس کے بعد اس کا بیٹا خسرو ملک بھی جو خاتم السلاطین خاندان غزنوی ہے۔ اس مزار مقدس پر حاضر ہوتے رہے۔

ان کے بعد جس قدر خاندان لاہور اور ہندوستان میں صاحب حکومت رہے۔ مثلاً غوری۔ خاندان غلاماں۔ سادات لودھی۔ مغلیہ وغیرہ۔ ان میں سے جتنے بادشاہ لاہور میں آئے۔ سب نے یہاں آ کر طوق غلامی پہنا۔ اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور شاہزادہ داراشکوہ، ہمیشہ یہاں آتے رہے۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی باوجود احاطہ مزار کی بیرونی عمارتوں کو نقصان پہنچانے اور پتھر اور سنگ مرمر اکھیڑ لے جانے کے اس مزار کا بہت ادب کرتا تھا۔ نذرانے کے روپے بھیجتا تھا اور کبھی کبھی خود بھی حاضر ہوتا تھا۔

چنانچہ "تاریخ لاہور" مصنفہ رائے بہادر گنھیالال میں مزار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے متعلق حسب ذیل عبارت درج ہے:

"اس عالی شان و متبرک مقبرے کے گرد بڑی بڑی عالی شان عمارتیں تھیں چنانچہ روضہ و مسجد شاہ اشرف (10) کی اسی کے جوار میں تھی۔ مگر سب کی سب سکھوں کی نذر ہوگئیں۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ اگرچہ ادب اس مزار کا بہت کرتا تھا اور ہزاروں روپے نذرانہ کے بھیجتا تھا۔ مگر باہر کی عمارت اس نے بھی ایک نہ چھوڑی۔ سب کے سب پتھر اکھڑوا کر ان کی بنیں زمین سے نکلوادیں۔ صرف مزار کا مکان باقی رہ گیا"۔

بادشاہوں اور شہنشاہوں کے علاوہ لاہور کے مقامی حکام یعنی ناظم اور صوبے دار نواب میر مومن وغیرہ سب کو اس آستانہ سے عقیدت تھی۔

### خانقاہ معلیٰ پر بادشاہوں اور دیگر امراء کی نذر نیاز اور معافیات:

جب سلطان ابراہیم غزنوی کے حکم سے روضہ کی عالی شان عمارت تیار ہوئی

ہوگی، تو خدا جانے اس عمارت اور اس کے مجاوروں کے اخراجات کے لئے کس قدر گاؤں اس آستانہ کے ساتھ وابستہ کئے گئے ہوں گے اور ان کے بعد جس قدر اور بادشاہ ہوئے ہیں خصوصاً شاہان مغلیہ اور ان کے عہد کے ناظمان لاہور نے جن کا دائرہ اقامت لاہور ہی ہوتا تھا۔ ان معافیات میں اور بھی کیا کچھ اضافہ کیا ہوگا۔ اور شہزادہ دارا شکوہ جس کو اپنے باپ شاہ جہان کی طرف سے صوبہ پنجاب جاگیر میں ملا ہوا تھا۔ وہ تو بہت ہی معتقد تھا۔ معلوم نہیں وہ کس قدر نذر نیاز یہاں کے مجاوروں کو دیتا ہوگا۔ اسی طرح نواب میر مومن خاں آخری ناظم لاہور کو بھی حضرت سے بے حد عقیدت تھی بلکہ اس کی وصیت کے مطابق اس کی قبر بھی اسی احاطہ مزار میں ہے۔ اس کی طرف سے بھی یقیناً بہت سی معافیات اس خانقاہ کے ساتھ ہوں گی۔ مہاراجہ رنجیت کی سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ مجاور بن کر ملا کرتا تھا۔ علاوہ نقدی کے کچھ زمین اور ایک چاہ واقعہ شیش محل متصل مزار شریف اور ایک چاہ برلب دریائے راوی ملحقہ موضع کلالانوالہ بھی واگزار تھا۔

لاہور میں ایک شخص محمد خاں ٹکسال والا سکھوں کے زمانے میں تھا۔ جہاں اب میڈیکل کالج واقعہ ہے۔ وہاں اس کا ایک کنواں غیر آباد تھا۔ اس نے اس کو آباد اور تیار کرا کے خانقاہ کی نذر کر دیا تھا۔ انگریزوں کے ابتدائی عہد میں جب چھاؤنی انارکلی تیار ہوئی تو وہ چاہ پھر ویران ہوگیا۔ اس کے ساتھ صرف ایک بیگھہ زمین شامل تھی۔ سرکار انگریزی نے دریائے راوی پر متصل رکھ بولا گڑھ ایک بیگھہ کی بجائے پانچ بیگھہ زمین عطا کر دی۔ نواب غلام محبوب سبحانی رئیس اعظم لاہور اور ان کے والد نواب شیخ امام الدین صوبہ کشمیر بھی اس خانقاہ کی خدمت کیا کرتے تھے۔ نواب غلام محبوب سبحانی (جن کے انتقال کو بارہ سال گزر چکے ہیں) ایک سو اسی روپیہ سالانہ اس مزار کو دیا کرتے تھے۔

## حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی موجودہ معافیات:

گذشتہ سطور میں دیکھ چکے ہو کہ کیسے کیسے جلیل القدر بادشاہوں بلکہ شہنشاہوں کی طرف سے حضرت کے مزار کے لئے جاگیرات اور معافیات تھیں۔ یہاں تک کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے باوجود غیر مذہب ہونے کے سالانہ ایک ہزار روپیہ نقد اور کچھ زمین اور چاہات بھی مقرر کئے ہوئے تھے اور علاوہ اس کے اس کے خاندان کے ممبروں کی طرف سے مزار کی بعض عمارات کی مرمت وغیرہ کا سلسلہ بھی رہتا تھا" بیک گردش طاق نیلوفری" انقلاب زمانہ نے پنجاب کو ایسی قوم کے سپرد کر دیا۔ جس کو اہل مشرق کے مذہبی جذبات کا احترام تو ہے لیکن اہل مشرق کی سی عقیدت مندی نہیں۔ اس لئے وہ معافیات جو سلطان ابراہیم غزنوی کے زمانہ سے شروع ہو کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور اس کے جانشینوں کے زمانہ تک چلی آتی تھیں۔ رفتہ رفتہ مٹ گئیں اور مجاوروں کی گزراوقات کا ذریعہ صرف چڑھاوا ہی رہ گیا۔

اب ایک مجاور کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ اس دربار کے نام کل معافی صرف تریسٹھ روپے ہے اور وہ بھی اس چاہ کا لگان ہے جو بیرون ٹیکسالی دروازے میاں کریم بخش صاحب مرحوم رئیس لاہور کے جانشینوں کے پاس ہے۔

یہ کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ لاہور کے مسلمان اس عالی جاہ اور بلند پایہ روحانی اور مذہبی بزرگ کے مزار کی طرف سے غافل ہیں۔ جس نے اسلام کا بیج پنجاب کی سرزمین میں بویا اور اسی تخم ریزی کا یہ نتیجہ ہے کہ چاروں طرف اسلام نے غلغلہ ڈال رکھا ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے مزارات کے ساتھ ہزاروں کی معافیات ہیں۔ معینیہ اور فریدیہ سکول جاری ہیں۔ اور دینی و دنیوی علوم سے خلق اللہ فیضیاب ہو رہی ہے۔

اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن کو حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مزار پاک

سے خاص عقیدت ہے۔ وہاں سرکار نظام کی طرف سے ہزاروں اور لاکھوں کے چڑھاوے چڑھتے ہیں۔ اگر دربار حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ کے مجاور اور متولی صاحبان حضور نظام کو حضرت کے مزار کی طرف بھی توجہ دلائیں اور حضرت خواجہ معین الدینؒ اور بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے اس درگاہ عالی سے فیض یاب ہونے کا ذکر کریں تو امید ہے کہ حضور نظام ضرور اس مزار پاک کے لئے بھی کچھ عطیہ مقرر کر دیں۔ اس دربار کے ساتھ بھی اگر کوئی معقول جاگیر ہوتی یا حکام وقت جو سلطان ابراہیم غزنوی سے لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ اور شیر سنگھ کے جانشین چلے آتے ہیں۔ جنہوں نے اس جاگیر کے لئے معافیاں منظور کی ہوئی تھیں۔ نقدی کی صورت ہی میں اس دربار کے لئے کچھ عطیہ منظور فرما دیتے اور متولیوں کی ایک کمیٹی ان عطایات و معافیات کی نگران ہوتی تو آج ہم حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کے پہلو میں بھی دینی دنیوی علوم وفنون کی ایک درس گاہ دیکھتے اور چونکہ وہ علم کے بڑے طالب، شائق اور عاشق ہیں اور اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں اور عام لوگوں کو بھی حصول علم کی تاکید کیا کرتے تھے اس لئے یقیناً اپنے مزار کے پہلو میں ایسی درس گاہ کے قیام سے ان کی روح (11) خوش ہوتی۔

## دربار حضرت داتا گنج بخشؒ صاحب کے قرآن شریف:

دربار گوہر بار حضرت داتا گنج بخشؒ کے لئے بادشاہ، امراء، وزراء اور عوام لوگوں نے نقدی اور جاگیرات کی معافیات ہی کافی نہیں سمجھیں، بلکہ بطور تبرک و نذر اور بڑے ایصال ثواب حضرت کی روح پرفتوح کے لئے یہاں اعلیٰ درجہ کے قرآن شریف بھی اپنے ہاتھوں سے لکھ کر اور لکھوا کر بھیجے ہیں۔ یہ قرآن شریف (12) یہاں صدہا سال سے چلے آتے ہیں جن کو صاحب ورد و وظائف اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے پڑھتے اور نذر دینے والے کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں چار

قرآن شریف تو بہت بڑے ہیں۔ جن کا الگ الگ ایک ایک سیپارہ ہے۔

ایک قرآن شریف نواب دکن (حیدرآباد نظام) مومن الملک علاء الدولہ جعفر خان نصیری بہادر ناصر جنگ کا نذر کردہ ہے۔ ہر سیپارہ کے آخر نواب مومن الملک کی طرف سے وہ تحریر درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب ناصر جنگ نے دربار حضرت داتا گنج بخشؒ کی طرح اور کئی بزرگان دین کے مزارات مثلاً اجمیر شریف، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء، مزار حضرت نصیرالدین چراغ دہلی، سالار مسعود غازیؒ، سید گیسودرازؒ۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر بھی قرآن شریف بھجوائے اور دو دو تین تین قاری ان کے پڑھنے کے لئے بھی مقرر کئے۔ مدینہ منورہ میں تیس (30) سیپاروں کے لئے تیس (30) قاری مقرر کئے جن کا خرچ اپنی گرہ سے دیتا تھا۔

قدوۃ الاولیاء حضرت علی مخدوم ہجویریؒ کے مزار پر جو قرآن شریف بھیجا۔ اس کے پڑھنے کے لئے تین قاری مقرر کئے اور یہ قرآن شریف 1137ھ میں مزار حضرت ہجویریؒ کے مجاور کی تولیت میں دیا گیا۔ جیسا کہ ہر سیپارہ کی آخری تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا قرآن شریف موراں طوائف (13) محبوبہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1251ھ میں نذر کیا۔

تیسرا قرآن شریف محمد خان چٹھہ احمد نگر ضلع گوجرانوالہ نے نذر کیا۔

چوتھا قرآن شریف امیر بخش کی طرف سے جن کی زیادہ کیفیت معلوم نہیں ہوسکی۔

ان کے علاوہ بعض اور قرآن شریف بھی ہیں۔ ایک وہ ہے جو مہاراجہ رنجیت سنگھ نے پشاور کی فتح کے بعد وہاں سے حاصل کیا اور دربار حضرت داتا صاحبؒ میں

بطورنذر چڑھادیا۔

ایک شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر کا نذر کردہ ہے جو اس نے کشمیر سے یہاں بھجوایا تھا۔ تیسرا میاں صمد و کشمیری سوداگر پشمینہ، امرتسر اور چوتھا میاں غلام یٰسین خوشنویس لاہوری کا نذر کردہ ہے۔ ایک قرآن شریف بہاری خط میں ہے اور مشک سے لکھا ہوا ہے۔ یہ بہت پرانا ہے۔ معلوم نہیں کس کی طرف سے یہ نذر رہوا ہے۔ اور ایک قرآن شریف ملتانی خط میں ہے جو نواب ملتان نے نذر کیا تھا۔ ایک اور قرآن شریف ہے جو بخط ثلث ہے اور بہت قدیمی ہے۔

تاریخ لاہور رائے بہادر گھنیا لال میں لکھا ہے کہ اس دربار عالی جاہ میں سلطان محمد ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف بھی موجود ہیں۔

احاطہ مزار حضرت داتا صاحبؒ کی اندرونی قبریں اور عمارتیں:

(1) مسجد:

یہ وہی مسجد ہے جو حضرت کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی اور جس کی شکل ہر چند تعمیر ثانی وثالث وغیرہ سے بدل گئی ہے لیکن جگہ وہی ہے جہاں حضرت نے اپنی زندگی میں مسجد کی تعمیر کی تھی۔

مسجد کا موجودہ چھت چادری ہے۔ محراب پر اب کلمہ طیبہ بھی لکھا ہوا ہے اور سنگ مرمر کا ایک منبر بھی موجود ہے۔ ایک چھت گیر لیمپ آویزاں ہے جو میاں احمد الدین کشمیری ٹین سمتھ وٹھیکیدار کا نذر کردہ ہے۔ ایک لالٹین بھی احاطہ مزار میں اسی ٹھیکیدار کی نذر کی ہوئی نصب ہے۔ مسجد کے سامنے وسیع صحن ہے اور اس میں وضو کرنے کے لئے ایک حوض ہے۔

بطور نذر چڑھا دیا۔

ایک شیخ غلام محی الدین صوبیدار کشمیر کا نذر کردہ ہے جو اس نے کشمیر سے یہاں بھجوایا تھا۔ تیسرا میاں صمد و کشمیری سوداگر پشمینہ، امرتسر اور چوتھا میاں غلام یٰسین خوشنویس لاہوری کا نذر کردہ ہے۔ ایک قرآن شریف بہاری خط میں ہے اور مشک سے لکھا ہوا ہے۔ یہ بہت پرانا ہے۔ معلوم نہیں کس کی طرف سے یہ نذر ہوا ہے۔ اور ایک قرآن شریف ملتانی خط میں ہے جو نواب ملتان نے نذر کیا تھا۔ ایک اور قرآن شریف ہے جو بخط ثلث ہے اور بہت قدیمی ہے۔

تاریخ لاہور رائے بہادر گھنیا لال میں لکھا ہے کہ اس دربار عالی جاہ میں سلطان محمد ابراہیم غزنوی اور سلطان شمس الدین التمش وغیرہ بادشاہوں کے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن شریف بھی موجود ہیں۔

## احاطہ مزار حضرت داتا صاحبؒ کی اندرونی قبریں اور عمارتیں:

### (1) مسجد:

یہ وہی مسجد ہے جو حضرت کے زمانے میں تعمیر ہوئی تھی اور جس کی شکل ہر چند تعمیر ثانی و ثالث وغیرہ سے بدل گئی ہے لیکن جگہ وہی ہے جہاں حضرت نے اپنی زندگی میں مسجد کی تعمیر کی تھی۔

مسجد کا موجودہ چھت چادری ہے۔ محراب پر اب کلمہ طیبہ بھی لکھا ہوا ہے اور سنگ مرمر کا ایک منبر بھی موجود ہے۔ ایک چھت گیر لیمپ آویزاں ہے جو میاں احمد الدین کشمیری ٹین سمتھ وٹھیکیدار کا نذر کردہ ہے۔ ایک لالٹین بھی احاطہ مزار میں اسی ٹھیکیدار کی نذر کی ہوئی نصب ہے۔ مسجد کے سامنے وسیع صحن ہے اور اس میں وضو کرنے کے لئے ایک حوض ہے۔

مسجد کی ایک تعمیر جیسا کہ تحقیقات چشتی (زمانہ تصنیف 1064ء) میں

معلوم ہوتا ہے۔ گلزار شاہ سادھو (کشمیری) نے بھی سابقہ جگہ کی بنیاد پر ہی کرائی تھی۔ پہلے اس مسجد کے گنبد وغیرہ نہیں تھے۔ صرف چوبی چھت تھی۔ گلزار شاہ نے گنبد بھی بنوا دیئے۔ 1309ھ میں جھنڈو چوپ فروش (لاہور) نے اس کی پھر مرمت کرائی۔ چنانچہ مسجد پر اس کا نام لکھا ہوا ہے۔ (14) مسجد و دربار کی موجودہ صورت حال کے لئے ذیلی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

---

داتا دربار کمپلیکس فیز اول

محکمہ اوقاف کی طرف سے داتا دربار کمپلیکس کے پہلے مرحلے پر پرانی مسجد کی توسیع کا کام کیا گیا جو کہ 1980ء سے شروع ہوا اور 1989ء میں اختتام پذیر ہوا۔ اس سلسلے میں ایک انتہائی شاندار اور خوبصورت مسجد کی تعمیر عمل میں لائی گئی۔ جس میں پچاس ہزار نمازیوں کے بیک وقت نماز پڑھنے کی گنجائش ہے۔ نئی مسجد کی تعمیر اور توسیع پر 14 کروڑ روپے کے اخراجات ہوئے۔

داتا دربار کمپلیکس فیز دوم:

محکمہ اوقاف پنجاب نے دربار حضرت داتا گنج بخشؒ سے ملحقہ پرانی مسجد کی توسیع کے فوراً بعد ایک اور توسیعی منصوبہ تیار کیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مسجد اور دربار شریف کو نمایاں کرنے کے لیے اسے لوئر مال تک توسیع دی جائے چنانچہ داتا دربار کمپلیکس فیز دوم کو دو مرحلوں میں مکمل کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ پہلا مرحلہ کمپلیکس کے سٹرکچر کی تیاری تھی۔ یہ کام مارچ 1992ء میں شروع ہوا اور اگست 1995ء میں مکمل ہوا۔ سٹرکچر کی تیاری پر 6 کروڑ 27 لاکھ روپے کے اخراجات ہوئے ہیں۔

مذکورہ بالا تعمیرات میں پانی کے نکاس، روشنی اور ہوا کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا ہے۔

گراؤنڈ فلور:

یہ حصہ باغیچہ اور فوارہ جات پر مشتمل ہے جو مسجد کا حصہ ہے اور اس کی تینوں جانب محرابی شکل میں نہایت سادہ اور پروقار انداز سے وسیع برآمدے تعمیر کئے گئے ہیں۔ جو دربار شریف کے قدیم برآمدوں کے طرز تعمیر کے مطابق تعمیر کئے گئے ہیں اور یہ مسجد اور دربار شریف کی عظمت و جلال کا مظہر ہیں۔ برآمدوں میں محرابوں کی تعداد 197 ہے۔ ان محرابوں میں اسماء الٰہی اور اسماء نبی کریم ﷺ کے

130 سنگ مرمر کے کتبے نصب کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ برآمدوں کے بیرونی محرابوں پر سورہ رحمان کا 308 فٹ، سماع ہال کے بیرونی دروازے پر درود تاج کا 108 فٹ اور اسی طرح دوسرے اہم مقامات پر آیات قرآنی کے 28,28 فٹ کے چار کتبے نصب کئے گئے ہیں۔ حضرت داتا گنج بخشؒ کی مختصر سوانح وتعلیمات اور دربار شریف کی تعمیر ومرمت کے مختلف مراحل کی تاریخی حیثیت کے بارے میں کتبے نصب ہیں۔

یہ کام کنسلٹنٹ میسرز نقوی اینڈ صدیقی کے تیار کردہ ڈیزائن کے مطابق لاہور ڈویلپمنٹ اتھارٹی نے مکمل کرایا۔ جبکہ اس تعمیری کام کے اخراجات وفاقی حکومت اور حکومت پنجاب نے برداشت کیئے۔ محکمہ اوقاف پنجاب کا تعاون بھی شامل ہے۔ سٹرکچر کی تیاری کے لئے وفاقی حکومت نے دو کروڑ روپیہ اور حکومت پنجاب نے پانچ کروڑ روپیہ کی گرانٹ دی جبکہ محکمہ اوقاف سے اس منصوبے پر اپنے وسائل سے 20 کروڑ روپے خرچ کئے۔

اس توسیعی منصوبہ میں جو تعمیری کام ہوا، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) تہہ خانہ: اس میں دوسو کاروں کی پارکنگ کی گنجائش رکھی گئی ہے اور یہ ایک لاکھ دو سو مربع فٹ رقبہ پر محیط ہے۔

(2) لوئر گراؤنڈ فلور: اس حصہ میں درج ذیل تعمیرات کی گئی ہیں۔

(i) سماع ہال۔ سماع ہال مکمل طور پر ایئر کنڈیشنڈ ہے۔

(ii) لنگر خانہ برائے مرد وخواتین۔

(iii) وضوگاہ۔

(iv) بینک۔

(v) پولیس اسٹیشن

(vi) ڈاکخانہ

(vii) اوقاف کے دفاتر

(viii) مرکز معارف اولیاء

(ix) جامعہ ہجویریہ

(x) لائبریری داتا دربار

توسیعی منصوبہ کے فیز اول میں جو سٹرکچر تیار کیا گیا، دوسرے مرحلے میں اس کی فنشنگ کی گئی

اوراس کے علاوہ اس مرحلے میں درج ذیل منصوبے بھی شامل تھے:

(i) سول ورک، یعنی عمارات کا پلستر۔ فرش اور ماربل کی تنصیب

(ii) تمام عمارات میں اندرونی وبیرونی بجلی کے کام کی تکمیل رفنشنگ

(iii) تمام عمارات میں سینٹری اور سیورج کے کام کی تکمیل۔

(iv) تہہ خانہ میں مکینیکل ایگزاسٹ سسٹم کی تنصیب۔

داخلے کے راستے:

داتا دربار کمپلیکس میں داخلے کے لیے تین دروازے تعمیر کئے گئے ہیں جو مشرقی، شمالی اور جنوبی سمت میں واقع ہیں۔ مرکزی دروازہ مشرقی جانب لوئر مال پر واقع ہے۔

رقبہ:

داتا دربار کمپلیکس فیز دوم کا رقبہ دولاکھ پچھتر ہزار مربع فٹ پر محیط ہے۔

اخراجات:

داتا دربار کمپلیکس فیز دوم کی تکمیل پر کل مبلغ 27 کروڑ روپے کے اخراجات ہوئے ہیں۔

---

## (2) صحن مسجد کی قبر:

مسجد کے صحن میں حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عقب میں ایک قبر بہت پرانی ہے۔ جو سید حضوری شاہ کی بیان کی جاتی ہے۔ مجاوروں کی زبانی اتنا ہی معلوم ہوسکا ہے کہ یہ بزرگ حضرت داتا صاحبؒ کے قریب زمانہ میں گزرے ہیں۔

## (3) حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ:

خواجہ معین الدین چشتیؒ غریب نواز 537ھ میں اپنے وطن سنجر (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ 580ھ کے قریب یا اس سے کچھ عرصہ پیشتر ہندوستان میں تشریف

لائے اور حضرت داتا گنج بخشؒ اور بقول بعض حضرت سید یعقوب زنجانی صدر دیوانؒ کے مزار پر بھی عرصہ تک معتکف اور چلہ کش رہے۔ حضرت خواجہ صاحب کا حجرۂ اعتکاف مسجد کے بالمشافہ ایک گز کے فاصلے پر واقعہ ہے۔ حجرہ کا چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس کا گنبد اکبر بادشاہ کے حکم سے تیار ہوا تھا۔ اب سنگ مرمر کے پتھر پر چھوٹے سے دروازہ کے اوپر حسب ذیل عبارت تحریر ہے۔

"حجرۂ اعتکاف حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ"

حجرہ کے اندر سفید اور سیاہ پتھر کا خوب صورت فرش ہے۔ جس کو خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکیدار نے بنوایا تھا۔

**(4) مجاوروں کی قبریں:**

مسجد کے مشرق رویہ زینہ حجرۂ اعتکاف کے سامنے ایک چھوٹی سی پختہ قبر سیڑھی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ جو سب سے پہلے مجاور شیخ ہندی کی تیرھویں پشت کے ایک مجاور شیخ سلیمان کی ہے۔ اس قبر کی نسبت تاریخوں میں لکھا ہے کہ یہ شہنشاہ اکبر کے زمانہ میں بنی تھی۔ حضرت کے روضہ کے سامنے اور مشرق رویہ جو بہت سی چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں، وہ سب مجاوران قدیم کی ہیں اور انہی میں دو قبریں ہیں جو اکٹھی ہیں۔ لیکن سب سے الگ ہیں۔ انہی میں ایک قبر سب سے پہلے مجاور شیخ ہندیؒ (سابق رائے راجو نائب حاکم پنجاب) کی بھی، بیان کی جاتی ہے۔ جنوب کی طرف بھی مجاوروں کی دو قبریں ہیں جن کو انتقال کئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے۔

خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم نے جب سے نئے دالان اور کمرے تعمیر کرائے ہیں۔ بعض ایسی قبریں بھی ہیں جو مزار کی چاردیواری سے ذرا باہر تھیں۔ چاردیواری کے وسیع ہونے سے احاطہ مزار کے اندر آ گئی ہیں۔ چنانچہ جنوب کی طرف جو قبریں ہیں۔ ان میں بھی چند ایک قبریں مجاوروں کی ہیں۔ جن پر ان کے نام مع سن

وفات لکھے ہوئے ہیں۔

(5) احاطہ مزار کی عام قبریں:

جنوب رویہ آٹھ دس قبریں اور بھی ہیں جن میں سے بعض 1328ھ سے پہلے چاردیواری سے باہر تھیں۔ مگر اس کے وسیع ہونے سے اندر آ گئیں اور بعض ایسی ہیں جو 1328ھ کے بعد ہی تعمیر ہوئی ہیں۔

(6) صوبہ کشمیر اور اس کے خاندان کی قبریں:

جس دالان میں قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں اور جہاں لوگ بیٹھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے ملحق ایک دالان میں جس کی چھت غالباً مرمت کے لئے اکھاڑی گئی ہے۔ نواب شیخ امام الدین صاحب صوبہ (گورنر) کشمیر کی قبر ہے۔ آپ کی وفات 1275ھ میں ہوئی تھی۔ آپ سکھوں کے آخری صوبہ کشمیر تھے۔ آپ کی عمر کے ساتھ آپ کے خاندان کے اور ممبروں کی قبریں بھی ہیں جن میں شیخ فیروز الدین سابق وزیر بہاولپور (تاریخ وفات 1299ھ (اور ایک عورت (وفات 1389ھ) کی قبر اور دالان سے ذرا باہر نواب غلام محبوب سبحانی مرحوم کے خورد سال صاحبزادہ کی قبر ہے۔ (15)

(7) خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم کے تعمیر کردہ کمرے:

خان بہادر میاں محمد بخش مرحوم ٹھیکیدار نے لاگت کثیر سے احاطہ مزار میں دو عالی شان دو منزلہ کمرے بنوائے ہیں۔ نچلے حصہ کے دروازے تو احاطہ سے باہر کی طرف ہیں۔ ان میں عام مسافر لوگ اور فقیر فقراء رہتے ہیں۔ ان کی چھت مزار مبارک کی سطح زمین کے برابر ہے۔ اس لئے ان کے اوپر چھت ڈلوا کر ان کو دوہرا بنا دیا ہے تاکہ سردی گرمی میں عام لوگ یہاں رہائش رکھ سکیں۔

مندرجہ ذیل اشعار بطور قطعہ تاریخ اس نئی عمارت کے شرقی دروازہ کے اوپر سنگ مرمر پر کندہ ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الوقف لوجہ اللہ الکریم

زخاں صاحب محمد بخش نامی — کہ مشرب قادری دارد عقامی
بناشد ایں عمارت، سر مولا — بطیب روح مخدوم علی را
یکے آرام خلق عام آراست — ازیں وقفے رفاہِ عام درخواست
خلیقا سالِ تاریخش چہ جوئی — ززاد آخرت حقا بگوئی

1328ھ

اس حساب سے اس نئی عمارت کو دس سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔

### مزار مبارک کی تعمیر اور مرمت وغیرہ:

حضرت کا مقبرہ تو سلطان ابراہیم غزنوی نے بنوایا تھا۔ اس کے بعد اکبر بادشاہ کے زمانے تک بہت سے سلاطین گزرے ہیں۔ جنہوں نے ہندوستان ہی میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ انہوں نے یا ان میں سے کئی ایک نے بھی ضرور اس روضہ کی مرمت وغیرہ یا کسی خاص عمارت کی ایزادی وغیرہ کی ہوگی۔ جیسا کہ اکبر بادشاہ نے شیخ سلیمان مجاور کی قبر اور حضرت خواجہ معین الدین ؒ کے حجرۂ اعتکاف کا گنبد بنوایا ہے۔ روضہ عالیہ کی چار دیواری بھی اس بادشاہ نے تیار کرائی تھی۔ اکبر کے بعد دارا شکوہ نے بھی جو حضرت داتا صاحب ؒ کا بہت معتقد اور ایک دوست شہزادہ تھا اس روضہ کی مرمت کی ہوگی۔ کیونکہ وہ اکثر لاہور ہی میں رہتا تھا۔

آج (16) سے 91 سال پیشتر یعنی 1823ھ مطابق 1880م بکری میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بوسیدہ ہو جانے کی وجہ سے پھر اس کی مرمت کرائی اور نئی

چھت ڈلوائی۔

حضرت کا مزار سفید سنگ مرمر کے چبوترے پر واقعہ ہے۔ اردگرد جو دو چھوٹی چھوٹی قبریں کانسی کار ہیں وہ آپ کے ہمراہیوں کی ہیں۔ مقبرۂ عالیہ پر ہمیشہ ایک غلاف کمخواب پڑا رہتا ہے۔ آپ کے تعویذ کے گرد ایک پنجرہ چوبی ہشت پہلو ہے جس کو میاں عوض خاں تیلبان مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1240ھ میں بنوایا تھا۔ جس طرح پہلے مسجد کے اوپر گنبد نہیں تھا، اسی طرح مزار بھی گنبد سے خالی تھا۔ مگر 1288ھ میں حاجی نور محمد سادھو (کشمیری) نے مزار پر ایک مدور گنبد نہایت خوب صورت بنایا۔ روضہ کے گرد جو ہشت پہلو آئینے لگے ہوئے ہیں۔ یہ خان بہادر ڈاکٹر محمد حسین صاحب مرحوم (وفات ستمبر 1914ء) کی عقید تمندی کا نتیجہ ہیں۔ اس آئینہ بندی کو قریباً پچپن سال ہو گئے ہیں۔ حاجی نور محمد کے بعد سفیدی وغیرہ کی مرمت میاں محمد جان گنائی (کشمیری) رئیس امرتسر نے کرائی تھی۔

حضرت کے مقبرہ کے سرہانے ایک چھوٹا سا حوض ہے جس میں پانی بھرا رہتا ہے۔ زائرین وہ پانی آنکھوں کو لگاتے ہیں۔

حضرت کے چبوترہ کے گرد جو چاندی کا کٹہرہ ہے عرصہ ستائیس سال کا ہوا۔ نواب غلام محبوب سبحانی نے اس کٹہرہ پر چاندی لگوادی تھی۔ بلور کا ایک جھاڑ بھی قبر کے تعویذ سے کچھ اوپر لٹک رہا ہے۔ جو خان بہادر شیخ (17) نصیر الدین کا نذر کیا ہوا ہے۔ روضہ کا گنبد ہشت پہلو بیضوی شکل کا ہے۔ دروازے کے اوپر یہ شعر لکھا ہوا ہے۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

گنبد کے ہر پہلو پر فارسی زبان کا ایک ایک مصرعہ لکھا ہوا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ پہلے یہاں اور اشعار تھے۔ اب سفیدی کے وقت جو 1328ھ میں ہوئی ہے اور اشعار لکھائے گئے ہیں۔ یہ شعر منشی دین محمد خوشنویس مصور (کشمیری) کے لکھے ہوئے

ہیں۔ جو آج اپنے فن میں فرد واحد ہے۔

مزار مبارک کی سفیدی اور مختلف دالانوں کی تعمیر و مرمت اس سے پہلے سکھوں کے زمانہ میں بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ موراں طوائف اور مہر نشاں طوائف اور نواب شیخ امام الدین صوبہ کشمیر نے روضہ کی سفیدی پر بہت لاگت خرچ کی ہے۔ میر مومن خان نائب ناظم لاہور کی قبر کے بالمشافہ ایک دالان سنگ سیاہ نواب خان خاناں نے (غالباً بزمانہ اکبر) بنوایا تھا۔ 1812ء میں ایک زلزلہ سے اس دالان کو سخت نقصان پہنچا۔ محمد خاں (18) مہتمم ٹکسال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے 1813ھ میں اس کو خشتی بنوادیا۔

جس دالان میں قرآن شریف رکھے جاتے ہیں۔ وہ بھائی ہیرا مصاحب کنور نونہال سنگھ نے بنوایا تھا۔ بعد میں رانی جنداں والدہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کو اور کشادہ کرادیا۔(19)

# حواشی

1) حضرت علی ہجویریؒ کی وفات کے بارے میں مؤرخین کسی ایک تاریخ پر متفق نہیں۔ بلکہ ان میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض محققین نے آپ کی تصنیف کشف المحجوب کے مطالعہ سے اندازہ لگایا ہے کہ آپ کی وفات تقریباً 500ھ میں ہوئی۔ تفصیلی معلومات کے لئے ملاحظہ ہو۔ مقالہ آقا عبدالحی حبیبی، اورنٹیل کالج میگزین، جلد 36، عدد مسلسل 140 صفحہ 41 تا 31 فروری 1960ء نیز ملاحظ ہو۔ اس کا فارسی متن "ماہنامہ سروش" شمارہ 9، جلد 4۔ اور ملاحظہ ہو مقالہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع "مقالات علمی و دینی" ص222 تا 232۔

2) مخزن، لاہور بابت اکتوبر 1912ء جل، د23۔ نمبر 7

3) کشف المحجوب اردو ترجمہ، ص282

4) ایضاً ص283

5) ایضاً ص283

6) ایضاً ص284

7) ایضاً ص284

8) ایضاً ص285

9) ایضاً ص285

10) یہ مزار جیلخانہ کی سڑک سے مشرق کی طرف چاندرات کے پڑاووں کے درمیان واقع ہے۔ چبوترہ پر دو قبریں ہیں۔ ایک محمد فاضل کی جو بزمانہ شاہ جہاں بادشاہ قادریہ سلسلہ کے ایک عالم فاضل صوفی تھے۔ ان کا انتقال 1111ھ میں ہوا تھا۔ دوسری قبران کے بیٹے شاہ شرف کی ہے۔ جن کا انتقال 1176ھ میں ہوا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مزار حضرت داتا صاحبؒ کے گرد جو بڑی بڑی عمارتیں تھیں۔ وہ دور دور تک تھیں۔

11) اب محکمہ اوقاف کے زیر انتظام جامعہ ہجویریہ کے نام سے ایک ادارہ دینی و دنیاوی تعلیم کے حوالے سے کام کر رہا ہے۔

12) ان میں سے کچھ نسخے بیت القرآن پنجاب پبلک لائبریری میں اور کچھ فقیر خانہ مغیث الدین میوزیم اندرون بھاٹی دروازہ لاہور میں محفوظ ہیں۔

13) مہاراجہ رنجیت سنگھ طبیعت کا بڑا سخت اور تلوار کا بڑا دھنی تھا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ موراں کے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا تھا۔ مہاراجہ نے موراں کے نام کا سکہ بھی جاری کیا دربار تمام پنجاب میں مہاراجہ صاحب کے سکہ کے برابر قیمت پاتا تھا۔ تاریخ لاہور میں رائے بہادر گھنیالال لکھتے ہیں کہ مہاراجہ کا دربار برائے نام تھا۔ اصل دربار موراں کے گھر ہوتا تھا۔ تمام سکھ سردار اور بڑے بڑے منشی معدی پہروں باہر کھڑے رہتے تھے۔ مہاراجہ برملا موراں کے گھر پر آتا تھا اور سواری بازار میں کھڑی رہتی تھی۔ موراں نے ایک مسجد بھی 1224ھ میں شاہ عالمی دروازہ کے اندر تعمیر کرائی جو نہایت عمدہ ہے۔ جس کی امامت مہاراجہ کے حکم سے مولانا غلام رسول غلام اللہ "استادکل" کے سپرد ہوئی تھی۔ جن کے خاندان سے خلیفہ حمید الدین ایک مشہور عالم گزرے ہیں۔

14) داراشکوہ کے مطابق سنہ جلوس عالمگیری میں دریائے راوی میں زبردست سیلاب آنے سے شہر کی دوسری عمارتوں کی طرح مسجد کو بھی کافی نقصان پہنچا تھا۔ اس کے بعد وقتاً فوقتاً اس کی تعمیر و ترقی ہوتی رہی۔ آج کل یہ مسجد محکمہ اوقاف کی تحویل میں ہے۔ چند سال قبل اس کے میناروں کو پہنچنے والے نقصان کے پیش نظر ان کو دوبارہ تعمیر کیا گیا اور مسجد کے بیل بوٹوں اور نقش و نگار کو جاذب نظر بنا دیا گیا۔

حال ہی میں مسجد کو از سرنو وسیع پیمانے پر تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ جس پر کروڑہا روپے لاگت کا اندازہ لگایا گیا ہے۔ اس مسجد میں ہزاروں نمازی نماز ادا کر سکیں گے۔ اس توسیع و تعمیر کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس کے چیئرمین صدر پاکستان ہیں۔ اس مسجد کا ڈیزائن منظور ہو چکا ہے۔

15) مسجد، مزار اور دیگر عمارات کی توسیع کے سبب اب اس جگہ کافی تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔

16) سال طبع اول 1332ھ مراد ہے۔

17) خان بہادر اگست 1920ء میں فوت ہو گئے۔

18) محمد خاں کی قبر بھی احاطہ مزار کے باہر واقع ہے۔ جو 1241ھ میں تعمیر ہوئی تھی۔

19) مسجد و مزار اب محکمہ اوقاف پنجاب کی تحویل میں ہیں۔ جس کے زیر اہتمام اس کی مرمت و توسیع ہوتی رہتی ہے۔

# مزار حضرت داتا صاحبؒ کی بیرونی عمارتیں

(1) دالان رانی چندر کور

اندرونی ڈیوڑھی کے متصل جو چاہ اور سبیل اور غسل خانہ ہے۔ وہاں سے دو تین سیڑھیاں چڑھ کر بیرونی قبرستان کو راستہ جاتا ہے۔ وہاں ایک دالان پختہ چونہ گچ رانی چندر کور۔ والدہ کنور نونہال سنگھ و مہارانی مہاراجہ کھڑک سنگھ نے تعمیر کرایا تھا۔ (1)

(2) مقبرہ نواب میر مومن خان

بیرونی ڈیوڑھی کی راہ سے حضرت کے مزار میں داخل ہوں تو اندرونی ڈیوڑھی میں داخل ہونے سے پیشتر دائیں ہاتھ بلند چبوترہ پر ایک پختہ قبر ہے جو نواب میر مومن خان نائب ناظم لاہور کی ہے۔ میر مومن بڑا نیک اور عادل حکم تھا۔ لکھا ہے کہ ایک جوان اور خوش شکل ہندو عورت اس پر عاشق (2) ہوگئی اور سب طرف سے ناکام اور پختہ مغزان جنون کی طرح پابندی شرم و حیاء سے آزاد ہو کر ایک دن جب کہ وہ ڈبی بازار سے گزر رہا تھا۔ اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ نواب نے کہا!

" کیا چاہتی ہو؟"

کہا عنایت ہو تو ایک بیٹے کی آرزومند ہوں جو شکل و صورت میں نواب سے ملتا ہو۔ اور مختصر یہ ہے کہ مجھے اپنی زوجیت میں قبول کیجئے۔

نواب نے کہا۔ میرے تمہارے تعلقات سے خدا جانے کوئی اولاد ہو یا نہ ہو؟ اور اگر ہو بھی تو کیا ضروری ہے کہ وہ بیٹا ہی ہو اور اگر بیٹا ہی ہو تو اس کا کیا یقین ہے کہ وہ میری ہی شکل کا ہو۔ اس لئے تم مجھے ہی اپنا بیٹا تصور کرو۔

یہ سن کر عورت بے حال ہوگئی۔ تحقیقات چشتی اور دیگر کتب میں لکھا ہے کہ نواب میر مومن خاں تادم مرگ بیٹوں کی طرح اس کھڑانی کے پاس جاتے رہے اور

ہمیشہ ماؤں کی طرح ادب کرتے رہے اور ہر ہندو تہوار پر اس کو کچھ روپیہ بھی دیا کرتے تھے اور اس عورت کو بھی خدا تعالیٰ نے نواب کے صدق نیت کی وجہ سے وہ صبر دیا کہ اس نے پھر کبھی اس کی طرف میلی نگاہ سے نہ دیکھا اور نہ مرتے دم تک شادی کی۔ ایسا عابد و زاہد اور نیک حاکم اس مزار کے نیچے برسوں سے سویا پڑا ہے۔ اس کی قبر اس کی وصیت کے مطابق حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار میں بنائی گئی۔ (3)

نواب میر مومن خاں کو حضرت داتا گنج بخشؒ سے ارادت کاملہ تھی۔ دربار میں اکثر حاضر ہوا کرتے اور پہروں محویت کے عالم میں رہا کرتے تھے۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ میری قبر حضرت داتا صاحبؒ کے قدموں میں بنائی جائے، چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی۔

یہ قبر جیسا کہ قبل ازیں لکھا گیا ہے۔ نئی ڈیوڑھی سے داخل ہو کر بڑے دروازہ کے متصل جس پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

لکھا ہوا ہے دائیں طرف چبوترہ پر بنی ہوئی ہے۔

میر مومن خاں سید بخاری تھے۔ بغداد سے آ کر محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں سرفراز ہوئے۔ بادشاہ نے نواب کا خطاب دے کر صوبہ لاہور کا نائب ناظم مقرر کیا۔ تحقیقات چشتی سے 1864ء تک آپ کی اولاد کا پتہ چلتا ہے۔

(3) نو تعمیر ڈیوڑھی

بیرونی ڈیوڑھی میں جو نہایت عالی شان ہے اور جس کے نیچے پختہ فرش ہے اور جو حضرت کے روضہ کی قدیم ڈیوڑھی تک جاتا ہے۔ میاں غلام حسین ولد حاجی غلام حسن مرحوم نے 29 جنوری 1905ء مطابق 22 شوال 1324ھ کو تکمیل تک پہنچا

کو اپنی ارادتمندی و غلامی کا ثبوت دیا۔ ڈیوڑھی کے بیرونی دروازے پر بسم اللہ۔ کلمہ طیبہ۔ گنج بخش فیض عالم کا سارا شعر اور تعمیر کنندہ کا نام درج ہے۔

## (4) ایک قدیمی مسجد

ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف تو روضہ کی عمارت ہے اور بائیں طرف کو ایک قدیمی چاہ کے پاس سے جو جاری ہے اور جہاں سے وضو وغیرہ بھی کیا جاتا ہے۔ مغرب کی طرف نظر کریں تو بہت سی پرانی قبور نظر آتی ہیں۔ یہاں سے سیدھے شمال کو جائیں تو ایک قدیمی مسجد و چاہ باری نظر آتی ہے جس پر مرمت کنندہ گلاب الدین محلّہ دار 1326ھ لکھا ہوا ہے۔ مسجد کے اندر داخل ہونے پر بڑے محراب کے اوپر کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ نیچے دو شعر ہیں۔ ان میں غالباً بانی مسجد کا نام یا سال بنا تحریر ہوگا۔ مگر افسوس کہ حرفوں سے سیاہی مٹ گئی ہے اور وہ صاف پڑھے نہیں جاتے۔ ایک مجاور کی زبانی معلوم ہوا کہ یہ مسجد سکھوں کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے۔

## (5) نواب غلام محبوب سبحانی کی قبر

مسجد سے مشرق کی طرف آئیں تو روضہ کے اس دالان کی پشت کے نیچے (جس میں اب قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں) بہت سی پرانی قبریں کچھ زمین میں دھنسی ہوئی۔ کچھ بالائے قد میں اور کچھ اس سے بھی زیادہ قابل افسوس حالت میں نظر آئیں گی۔ اسی جگہ نواب غلام محبوب سبحانی کی قبر بھی ہے (جن کا انتقال دسمبر 1903ء میں ہوا تھا) جس کے گرد چار دیواری ہے اور جس پر ایک شخص چراغ روشن کرنے کے لئے مقرر ہے اور جو اس چار دیواری میں رہتا ہے۔

چار دیواری کے باہر اور بھی بہت سی قبریں ہیں جن کا کچھ پتہ نہیں معلوم ہو سکا۔ اور جن میں سے کئی ایک مجاوروں کی بیان کی جاتی ہیں۔ نواب صاحب فارسی زبان کے اعلیٰ شاعر تھے۔ ان کا مطبوعہ دیوان موجود ہے۔

حضرت کا روضہ چشمہ فیض ہے اس چشمہ سے کون کون سیراب ہوا؟

حضرت کے دربارِ دُرّ بار پر 465ھ (سال وفات حضرت) سے لے کر

1332ھ تک (جبکہ یہ کتاب لکھی جا رہی ہے) اور سال طبع دوم 1339ھ تک لاکھوں نہیں کروڑوں اور کروڑوں نہیں عربوں اور پدموں تک بلکہ بے تعداد مخلوق اس چشمہ سراپا رحمت سے اپنی روحانی پیاس بجھاتی رہی ہے۔ عام بھی آتے رہے اور خاص بھی۔ غریب بھی آتے رہے امیر بھی۔ محتاج بھی آتے رہے بادشاہی بھی۔ لیکن ان کے علاوہ وہ پاک بزرگ اور وہ پاک نفوس بھی اس آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں۔ جو آج فقر و تصوف کے بادشاہ ہیں اور جنہوں نے ہندوستان اور خصوصاً راجپوتانہ، دہلی، پنجاب اور آگرہ وغیرہ علاقہ جات میں چاروں طرف اسلام کو پھیلا دیا ہے۔ یعنی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور حضرت بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت لال حسین لاہوری وغیرہ۔

## (1) حضرت خواجہ معین الدین چشتی حضرت کے روضہ پر

ان بزرگوں میں سب سے پہلے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اس درگاہ پر حاضر ہوئے۔ تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ آپ 535ھ میں اور ایک اور کتاب مخزن الاسرار میں لکھا ہے کہ 500ھ آپ یہاں تشریف لائے۔ لیکن تعجب یہ ہے کہ ایسے واقعات لکھتے وقت تاریخ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز اجمیریؒ کے حالات پڑھے جاتے ہیں۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش 537ھ میں واقع ہوئی ہے۔ پھر یہ بھی سب لوگ مانتے ہیں۔ اور تاریخیں اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ آپ نے عین عالم شباب میں حضرت خواجہ عثمان ہرونی (نیشاپور) سے بیعت کی اور پھر سالہا سال ان کی خدمت میں رہے۔ اور خرقہ حاصل کرنے کے بعد حضرت غوث الاعظمؒ کے پاس جیلان میں جا کر پانچ ماہ تک قیام کیا۔ وہاں سے مختلف ملکوں کی سیر کرتے ہوئے حج کو گئے اور وہاں سے بہ ارشاد نبوی ولایت ہند پر مامور ہو کر راہ غزنی و لاہور۔ اجمیر پہنچے۔

جب آپ لاہور پہنچے ہیں تو اس وقت خاندان غزنوی غزنی سے لاہور میں منتقل ہو چکا اور معرض زوال میں آ چکا تھا۔ شہاب الدین غوری بڑھتی دولت اور نہ رکنے والے سیلاب کی طرح پنجاب پر قبضہ کر کے اجمیر کے لینے کی کوششوں میں تھا اور کئی مرتبہ ناکام رہ چکا تھا۔ آخر جب حضرت خواجہ وہاں پہنچے تو شہاب الدین نے بے غل وغش اجمیر پر قبضہ کرلیا۔ یہ زمانہ 588ھ کا تھا۔ زمانہ سلف کے صوفیاء کی سیاحت عموماً اس طرح ہوتی تھی کہ ایک ایک مقام پر جہاں وہ قیام کرنا مناسب سمجھتے تھے۔ کئی کئی ماہ بلکہ کئی کئی سال گزار دیتے تھے۔ اس زمانے میں ریل تو تھی نہیں کہ شام کو لاہور سے سوار ہوتے اور صبح کو تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے دہلی جا پہنچے۔ نہ سڑکیں صاف اور نہ راستے درست تھے۔ جنگلوں اور بیابانوں کا سفر تھا۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ اپنی مرضی کا سفر تھا۔ اس لیے یہ بالکل ممکن ہے کہ حضرت خواجہؒ لاہور سے روانہ ہو کر دہلی (4)، آگرہ اور بڑے بڑے شہروں میں قیام کرتے ہوئے سات آٹھ سال کے عرصہ میں اجمیر پہنچے ہوں۔ اس حساب سے لاہور میں ان کی تشریف آوری کا زمانہ 580ھ یا اس سے کچھ کم وبیش سمجھنا چاہیے اور یہ وہی زمانہ ہے جب لاہور کا آخری غزنوی بادشاہ خسرو ملک، شہاب الدین غوری سے تنگ آیا ہوا تھا۔

کتابوں میں مذکور ہے کہ حضرت خواجہؒ عرصہ تک یہاں معتکف رہے۔ حجرہ اعتکاف جو حضرت داتا صاحبؒ کے مزار کی پائینتی کی طرف موجود ہے اس بات کی زندہ شہادت ہے۔ لاہور کی مدت قیام معلوم نہیں، لیکن قیاس یہی ہے کہ کئی سال تک یہاں رہے ہوں گے، کیونکہ بقول بعض مصنفین آپ نے حضرت صدر دیوان کے مزار پر بھی چلہ کاٹا ہے۔ جب حضرت خواجہ یہاں سے فیض یاب ہو کر اور حضرت کی روح پر فتوح سے استمداد حاصل کر کے رخصت ہونے لگے۔ تو پائینتی کی طرف دست بستہ کھڑے ہوئے اور کمال خلوص اور خضوع وخشوع سے یہ شعر پڑھا۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ شعر لاہور میں بچہ بچہ کو از بر یاد ہے۔ اور نہایت مقبول و مشہور ہے۔ بلکہ حضرت داتا صاحبؒ کے روضہ کے صدر دروازہ پر بھی لکھا ہوا ہے۔ (5)

(2) حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور مزار حضرت داتا صاحبؒ

ان بزرگ کا اصل نام مسعود اجودھنی ہے۔ اجودھن پاک پتن کا قدیم نام ہے۔ حضرت خواجہ معین الدینؒ آپ کے دادا پیر تھے۔ یعنی آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید تھے جو حضرت خواجہ معین الدین کے مایہ ناز خلیفہ تھے۔ آپ 600ھ میں لاہور تشریف لاتے ہیں۔ چونکہ حضرت کے مزار پر آپ کے دادا پیر حضرت خواجہ معین الدینؒ نے چلہ کشی کی تھی۔ جب آپ لاہور آئے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں میرے بزرگ پیر بیٹھ گئے ہوں۔ میں وہاں بیٹھنے کے قابل نہیں ہوں۔ چنانچہ آپ نے قبر کی پائنتی کی طرف ایک بلند ٹیلے پر اپنی نشست مقرر کی۔ یہ جگہ کچہری ضلع کے مغرب کی طرف واقع ہے۔ آپ کے قیام کی وجہ سے اس کا نام فرید آستانہ مشہور ہو گیا۔ پھر فریدانہ اور اب عام لوگ اس جگہ کو پھلیدانہ کہتے ہیں۔ یہ جگہ بہت متبرک ہے۔ یہاں کسی زمانے میں قبریں ہی قبریں تھیں۔ مگر اب قبروں کی صفائی ہو گئی ہے اور حسب الحکم سرکار ٹیلہ بھی گرا دیا گیا ہے۔ صرف مکان عبادت گاہ کا محفوظ ہے۔

بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حضرت اس ٹیلہ سے بپاس ادب گھٹنوں کے بل حضرت داتا صاحبؒ کے آستانہ پر آتے تھے اور بغیر پشت کئے اسی طرح الٹے واپس جاتے تھے۔ آپ نے اسی ٹیلہ پر بیٹھ کر حضرت داتا صاحبؒ کی روح سے استمداد حاصل کی ہے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار پاک پتن

میں مرجع خاص و عام ہے۔

(3) حضرت لال حسینؒ اور

(4) شیخ حسو تیلی حضرت داتا صاحبؒ کے مزار پر

یہ دونوں بزرگ شہنشاہ اکبر کے زمانے میں لاہور کے قطب المشائخ ہو گزرے ہیں۔ شیخ حسو تیلی کی ضعیف کا زمانہ تھا اور حضرت لال حسین ابھی شباب میں تھے۔ دونوں حضرت داتا صاحبؒ کے دربار میں فیض روحانی حاصل کیا کرتے تھے۔ شیخ حسو تیلیؒ کی دوکان چوک جھنڈا میں تھی۔ حضرت لال حسین اسی راستے سے دربار حضرت داتا صاحبؒ میں جایا کرتے۔ اور جب شیخ حسو تیلیؒ کی دکان کے پاس پہنچتے تو خوب اچھلا کودا کرتے اور شور وغل سے آسمان سر پر اٹھالیا کرتے تھے۔(6)

(5) شہزادہ حضرت داراشکوہ آستانہ حضرت داتا صاحبؒ پر

شاہ جہان کا سب سے بڑا بیٹا داراشکوہ ایک صوفی منش شہزادہ تھا۔ اس نے تصوف میں کتابیں بھی لکھی ہیں۔ سفینۃ الاولیاء میں اس نے لکھا ہے کہ چالیس دن متواتر یا چالیس جمعرات تک اگر کوئی شخص حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہے اور خدا کو یاد کرتا اور حضرت کی روح سے استمداد کرتا رہے تو انشاء اللہ وہ اپنے دل کی مراد حاصل کرے گا۔ اپنی نسبت وہ لکھتا ہے کہ میں چالیس روز برابر حضرت کے مزار پر حاضر ہوتا رہا اور جو میرے دل کا مقصد تھا وہ جناب الٰہی نے بہ طفیل حضرت پیر علی مخدوم ہجویری پورا کر دیا۔

اب بھی ہزارہا مخلوق نزدیک و دور سے آتی ہے اور جمعرات اور جمعہ کے دن تو زائرین کا اچھا خاصا ہجوم بلکہ میلہ ہوتا ہے۔

## مزار داتا صاحبؒ کے میلے:

حضرت کے مزار پر انوار پر مندرجہ ذیل میلے اور ہجوم زائرین اور خلق اللہ کے ہوتے ہیں:

(1) چھوٹا عرس جو 19 صفر کو ہوتا ہے۔

(2) بڑا عرس جو 20 صفر کو ہوتا ہے۔

(3) آخری چہار شنبہ کو یہاں قوالی ہوتی ہے اور بے انتہا ہجوم ہوتا ہے۔

(4) 9 محرم کو غسل ہوتا ہے اور اس دن بھی بہت لوگ جمع ہوتے ہیں۔

(5) دسویں محرم کو تعزیوں کا میلہ ہوتا ہے اور چونکہ امام بارہ اسی طرف ہے اور میلہ بھاٹی دروازہ سے شروع ہوتا ہے اس لئے اس دن بھی بڑی رونق ہوتی ہے۔

(6) حج کے روز بھی یہاں لوگ آتے ہیں۔

(7) شالامار باغ لاہور کا میلہ ہر سال کے ماہ مارچ کے آخری جمعہ، ہفتہ اور اتوار کو ہوتا ہے۔ مگر دوشنبہ یعنی پیر کے دن یہاں بھی خلقت جمع ہوتی ہے۔

## حضرت داتا گنج بخشؒ کا عرس:

جیسا کہ لکھا جاچکا ہے کہ حضرت کا عرس 19 ور 20 صفر کو ہوتا ہے۔ 9 کو چونہ ہجوم تھوڑا ہوتا ہے اس لیے اس کا نام چھوٹا عرس ہے اور 20 صفر کو چونکہ احاطہ مزار کے اندر اور بہر بلکہ دور دور تک تل دھرنے کو جگہ نہیں ملتی اور کھوئے سے کھوا چھلتا ہے۔ اس لیے اس کو بڑا عرس کہا جاتا ہے۔ عرس کے دن باورچی خانہ کھل جاتا ہے اور فقراء اور عام مساکین کے لیے کھانا تقسیم ہوتا ہے۔ خادم اور عقیدت مند نذریں چڑھاتے ہیں اور مجاوروں میں سے بعض کو دستاریں ملتی ہیں۔ یہ میلہ دو دن رات برابر رہتا ہے۔ کئی دوکانیں لگ جاتی ہیں اور بڑی رونق رہتی ہے۔ گو خلقت دور دور سے آتی ہے۔

مگر امرتسر تو امنڈ کر آ جاتا ہے۔ خصوصاً وہاں کے اہل خطہ لوگوں کو حضرت سے بڑی عقیدت ہے اوران کا ایک جم غفیر عرس کے دن دیکھا جاتا ہے۔ احاطہ مزار کے باہر جو دھما چوڑی نظر آتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مجمع کو باطنی طور پر عرس حضرت داتا صاحبؒ سے کوئی نسبت نہیں۔ اس لیے کہ سارے مجمع میں جس کی تعداد بلاخوف تردید ہزار ہا تک ہوتی ہے کسی کی زبان سے بھی حضرت کے فضائل و مراتب کا ذکر نہیں سنا جاتا۔

یہ عرس اس عالی جاہ اور قطب الاقطاب بزرگ کا ہے جس کی چوکھٹ پر شہنشاہان عالم جبہ سا ہوتے رہے اور جس کی دہلیز پر بڑے بڑے مشائخ نے سر رکھے ہیں۔ یعنی اپنی عقیدت مندی ظاہر کی اور حضرت کی بزرگی کو تسلیم کیا ہے۔ ایسے بزرگ اور پاک وجود کے حالات جس نے پنجاب میں بالواسطہ اور سارے ہندوستان میں بلاواسطہ اسلام کے گل بوٹے لگائے اور چمن محمدی کو سرسبز وشاداب کیا ہے۔ عام طور پر ہر کلمہ گو کو حرز جان ہونے چاہیں۔ مذہب کے لیے جو تکلیفیں حضرت نے اپنی جان پر گوارا کی ہیں اور ایثار کے جو لطیف معانی آپ نے بیان فرمائے ہیں۔ وہ سب مسلمانوں کی حمیت وغیرت کو تازہ کرنے کے لیے دھرانے چاہیں۔ کیا ایسے بزرگ کی خانقاہ پر جس نے اشاعت علم، اشاعت اسلام ک خاطر وطن پر غربت کو اور امیری پر فقیری کو ہمیشہ ترجیح دی ہو۔ ایسے ہی روگ رنگ اور لغویات ہونے چاہیں جیسے کہ ہو رہے ہیں اور دیکھے جا رہے ہیں۔

مگر احاطہ مزار کے اندر عرس کے درن اور بعض جمعراتوں پر بھی نعت خوانی ہوتی ہے اور مسجد میں علمایان دین کے وعظ بھی کرائے جاتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے عرس اور میلے فی الواقعہ بہت بدنام ہو گئے ہیں۔ لغویات ور ہزل گوئی نے اصل مقاصد مفقصود کر دیئے ہیں۔ ہزاروں آدمی اور عورتیں ہر عرس کے دنوں میں

دیکھے جاتے ہیں۔ خصوصاً احاطہ مزار کے باہر۔ وہ عجب مضحکہ خیز انداز بلکہ افسوسناک حالت میں دیکھے جاتے ہیں۔ ان میں یقیناً ایسے لوگوں کی تعداد بھی بہت ہوگی۔ جو حضرت داتا صاحبؒ کے فضائل و مراتب اور ان کے بیش قیمت خیالات سے آگاہ ہونا تو اک طرف ان کے اصلی اور صحیح نام سے بھی واقف نہ ہوں۔ اس لیے حضرت کے مزار کے اندرونی اور بیرونی حصہ میں عرس کے دنوں میں علمایان دین کے موعظ حسنہ کثرت سے ہونے چاہیں اور ان کی قابل تقلید زندگی کے واقعات بیان کر کے مسلمانوں کی دینی حرارت کو گرمانا چاہیے۔

## دربار معلیٰ کے مجاوروں کی کچھ کیفیت:

حضرت کے مزار عالیہ کے مجاور شیخ ہندی ہی کی اولاد سے چلے آتے ہیں۔ یا یوں سمجھنا چاہیے کہ 465ھ یعنی آج سے 866 سال (7) پیشتر سے ایک ہی خاندان مجاوری کی خدمات پر چلا آتا ہے۔ شیخ لطف اللہ یعنی بارہویں پشت تک تو ہر ایک کے ہاں ایک ایک ہی اولاد نرینہ ہوتی رہی۔ مگر شیخ لطف اللہ نے (جو اکبر کے عہد میں پیدا ہوتے ہیں) ان کی اولاد بڑھنی شروع ہوئی۔ شیخ سلیمان جس کی قبر حضرت کی مسجد کے زینہ کے ساتھ اور حجرہ اعتکاف کے سامنے ہے انہی لطف اللہ کا ایک بیٹا تھا۔

جب کوئی لڑکی یا لڑکا کسی مجاور کے ہاں پیدا ہوتا ہے تو حصہ ان کا باری اور جب مر جاتا ہے یا لاہور چھوڑ کر کسی اور ملک کو چلا جاتا ہے تو حصہ اس کا بند ہو جاتا ہے۔ مگر غیر حاضری کی صورت میں واپس آنے پر پھر اسے حصہ مل سکتا ہے۔ خانقاہ عالیہ کے چڑھاوے میں سب حقدار شریک ہوتے ہیں۔ البتہ بروز عرس یا جمعرات یا جمعہ کو اگر کوئی ارادت مند معمول سے زیادہ کسی مجاور کو دے دے تو دوسرے کو اس میں شمولیت نہیں ہوتی۔ جمعرات کو سڑکوں پر صبح ہی صبح اکثر فقیر فقراء بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے اور زائرین گزرتے ہوئے ان کو کوڑیاں اور پیسے دیتے

جاتے اور وہاں جا کر درود وظائف کرتے اور فاتحہ پڑھتے ہیں۔

تحقیقات چشتی 1864ء میں پہلی مرتبہ چھپی تھی۔اس میں لکھا ہے کہ 66 آدمی مجاور علی الدوام یہاں حاضر رہتے ہیں اب 1914ء میں مجاوروں کی تعداد 82 بیان کی جاتی ہے۔(8)

# حواشی

1) کسی وقت یہاں قرآن شریف رکھے جاتے تھے۔ مسجد کی توسیع کے وقت یہ دالان مسجد میں آ گیا ہے۔

2) تحقیقات چشتی۔

3) تحقیقات چشتی کی متضاد تحریروں سے بعض وقت بڑی پریشانی ہوتی ہے۔ مثلاً نواب میر مومن خان کے متعلق 164 صفحہ پر لکھا ہے "آپ یہاں تک نیک تھے کہ ہر ایک آدمی آپ کو نیک یاد کرتا ہے اور فاتحہ خیر دیتا ہے۔ عہد حکومت و نظامت میں صدہا کام نیک ان سے انجام پائے" آ دوسری جگہ صفحہ 645 پر اسی نواب کے متعلق لکھا ہے کہ "نواب میر مومن خان اس پر اور محمود خان راجپوت افتراق کے ساتھ مل کر لٹیروں اور راہزنوں حصہ لینے لگا۔ آخر نواب زکریا خان نے جو لاہور کا صوبہ دار تھا اس کو سرزنش کی"۔ ایک ہی مصنف کی ایک ہی شخص کے متعلق دو متضاد رائیں اور ایک ہی کتاب میں یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا۔

4) اقتباس الانوار (فارسی) مطبوعہ اسلامیہ پریس لاہور سے معلوم ہوتا ہے کہ دہلی میں آپ ایک عرصہ تک رہے۔ وہاں کے بہت سے لوگوں سے آپ نے ملاقاتیں کیں اور نامی صوفیاء کرام سے محبتیں گرم رہی ہیں۔

5) بعض لوگ گنج بخش فیض عالم بھی لکھتے ہیں اور پڑھتے ہیں۔

6) مفصل حالات دیکھنے ہوں تو مؤلف کی کتاب یادرفتگاں اور تاریخ شالامار باغ لاہور ملاحظہ فرمائیے۔

7) طبع ثانی 1339ھ میں 874 سال شمار ہونے چاہیں۔

8) اب محکمہ اوقاف نے یہ مزار مجاوروں کی تولیت سے اپنی تحویل میں لے لیا ہے۔ اس کی آمدن سے اس کی تعمیر و مرمت اور دیگر ضروری اخراجات پورے کیے جاتے ہیں۔ نیز عرس پر محکمہ اوقاف کی طرف سے لاکھوں روپے کے لنگر کی تقسیم کے علاوہ شاندار علمی و روحانی محافل بھی منعقد کی جاتی ہیں۔

# مناقب وسلام حضرت داتا گنج بخشؒ

## مسدس مبارک

درمدح جناب قطب الاقطاب فردالافراد پیشوائے اہل توحید وتفرید حضرت داتا گنج بخش صاحب علی ہجویری نوراللہ مرقدہ۔ از سلطان العاشقین معارف آگاہ حضرت خواجہ مستان شاہ صاحب کابلیؒ۔

مالک ملک دو عالم خواجہ ہر دو سرا　　نہ سپہرش سایہ گرداں مہر و ماہش خاکپاء
اولیاء اللہ لاخوف علیھم را سزا　　کیست آں ظل الہیٰ نور پاک مصطفےٰ
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

شاہباز قاف قدس و طائر صدرہ نشین　　بل بود سکاں سدرہ مرد را زیرنگیں
حامل بار امانت حامی دنیا و دیں　　آستاں بوس حریمش غوث قطب اجمعیں
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

نور پاک مصطفےٰ پروردہ رب جلیل　　کعبہ معنیٰ دلہا رابود ہم چوں خلیل
فیض عامش کردہ جاری خلدآسازیں قبیل　　جوئے شہد و جوئے شیر و سلسبیل و زنجبیل
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

روضہ پرنور پاکش و زمیں ہمچوں بہشت　　بہرہ ورازفیض عامش خاص و عام وخوب و خشت
تیر رفتہ بازگرد اند بدل ساز و سرشت　　خوش بسفتہ در اوصافش معین الدین چشت
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

نور بیچون تقدس درمیان ماء وطیں حق پرستاں را کشودہ دیدۂ حق الیقین
خازن گنجینہ اسرار را باشد امیں سایہ الطاف ایزد رحمۃ للعالمین
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

ناصیہ فرسا ہمہ روئے زمین بردر گہش پہلوئے شیر فلک را ے در اندرو بہش
از خدا آگہ کند دل را خیال آگہش شدمعین الدین فریدالدین بطوطش چلہ کش
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اے شہنشاہ دو عالم خواجہ مالک رقاب از فراقت دیدۂ ما گریہ دار وچوں سحاب
تابشد خورشید عالم در زمین زیر نقاب ہر زمان خواند فلک یالیتنی کنت تراب
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

اے کہ از خوبان عالم بردۂ یکسرسبق چرخ خیر مقدمت کردہ ستارہ در طبق
سینہ بے کینہ لت از تیغ گشتہ شق آفتاب ملک معنی ذات آں دیدار حق
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

شاہ جیلاں غوث اعظم شیخ ارض و نہ سما گفت در جمع مریداں از کرامت بارہا
ہم زمانہ گرہمی بودم علی ہجویر را تازہ بیعت کردے بردست آں بیضا لقاء
گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

شاہ عالم فخر آدم قطب جملہ اولیاء سید عالی نسب فرزند خاص مصطفےٰ
سر حق اسرار احمد نور پاک مرتضےٰ مرحبا مرحبا مرحبا مرحبا!

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

چشم مستت سرمہ کش از کحل ما زاغ البصر مقتبس از روضہ پر نور تو شمس و قمر
مہر تو منقوش بر دل ہمچو نقش کالحجر یک نظر بر حال مسکین وفقیراں یک نظر

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

طوف کوئیت مے نمائید جملہ طوافیاں چوں طواف کعبۃ اللہ مے نمائید حاجیاں
در صفاؤ مروہؑ کوئیت ہمہ نعرہ زناں صاحب بیتے نظر بر حال زار عاجزاں

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

جسم زاریم و نظر نا روح و روحانی شویم برجہم از خاکدان تیرہ نورانی شویم
تا بکے لبیک گویاں جان و ایجانی شویم عید وصلت را نماتا جملہ قربانی شویم

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

لاہور از فیض قدومت رشک بستان ارم میرسد برطوف کوئیت ہندی و رومی عجم
کعبہ ثانی شدہ بر عاشقاں زاں لا جرم بر زبان پیر و بر ناگشتہ جاری ومبدم

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

شہسوار اوج ولایت عرش اعلیٰ متکاء لطف کن ازفیض عامت خواجہ عالم پناہ
زاں نظر جو حضرت اجمیرکردی بادشاہ کن بحال زار مستان شاہ کابل یک نگاہ

گنج بخش فیض عام مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را راہنما

# مخمّس بر مصرع خواجہ حافظ شیرازی

درمدح حضرت سید الاولیاء قطب الاقطاب والا جناب پیشوائے اہل توحید وتفرید حضرت مخدوم علی ہجویری داتا گنج بخش لاہوری نور اللہ مرقدہٗ۔

(از مولوی محرم علی صاحب چشتی لاہوری)

سگ دربار تو بر فرق شہاں خواہد بود　　عاشق روئے تو جاناں جہاں خواہد بود
روضہ پاک زبس رشک جناں خواہد بود　　سوئے ایں قبلہ رخ اہل زماں خواہد بود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

وصفت از خامہ ایں عاجز مسکین چہ شود　　خادمت مدح تو اے حضرت داتا چہ کند
یمن ایں مرقد پاک تو نہ حدے دارد　　بر زمینے کہ نشان کف پائے تو فتد
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

ہر قدر نورو تجلی کہ عیاں مے بینم　　مرقد پاک تو یک مظہر آں بینم
بس کہ او ثانئے محراب جناں مے بینم　　بر سر ابروئے پاک تو پناں مے بینم
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

گفتہ پاک تو چوں زنگ ضلالت بزوود　　قلب طالب تو سوے سماہا بود
بس کہ ایں ہر کرہٗ فقر بعالم بکشود !　　بر سوئے نکتہ ایں کشف تو دائم ز شہود
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

رخش مہرت شدہ آراستہ با سازو بہ زیں　　از سما رخ بکند گر بسوئے ملک زمین
برسر نقش دو نعلش چو ہلال ازرہ دین　　ماہ ہا خلق شود راکع و دیگر بہ یقین
سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اے خوشا حال کسے آنکہ بفہد خویش　　فرخ آنست کہ درخواب بہ بیند رویش
گر کسے ذرہٗ یک زرہٗ بیا بد بویش　　نیک بینی کہ زہر طبقہ عالم سویش

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

قبلہ و کعبہ ماحضرت بابائے فرید    گفت چوں حضرت جیلاں بجمعے ز مرید
ہر کہ باصدق رہ خدمت داتا بدوید    جانب یک سر پائیش تو بخواہی ایں دید

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

نظم من گر بنود خوب بباشد ہمہ زشت    کن تو مقبول پے حضرت مستان شہ چشت
چونکہ در مدح تو ایں چند سخن ہا بنوشت    باور ایں است سوئے خامہ چشتی بہشت

سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

## مسدس بطور سلام

بحضور فیض گنجور سر آمد اولیائے کبار زبدۂ اخیار و ابرار حضرت
مخدوم علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری بتضمین شر
حضرت خواجہ معین الدین الحسن السنجری ثم اجمیری چشتیؒ
(از طبع زاد مولوی فیروز الدین صاحب مترجم کشف المحجوب لاہور)

السلام اے آفتاب خاندان مصطفےٰ    اسلام اے سر دبستان محمد مجتبےٰ !
اسلام اے نور چشمان علی مرتضےٰ    السلام اے فخر فرزندان امام باصفا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے قدوۂ درگاہ رب ذوالجلال    صد سلامت یا علی یا مظہر شان جمال
السلام اے طاہر صدرۂ نشین خوش مقال    السلام اے صاحب فضل و کمال لا یزال

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے ساقی صہبائے نور معرفت   السلام اے قاسم لطف و سرور معرفت
السلام اے شرح فرمائے ظہور معرفت   السلام اے گوکہر پاک بحورمعرفت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے غازی میدان زہد و اتقاء   السلام اے کشتۂ شمشیرعشق جانفزاء
السلام اے پہلوان عرصہ فقر و غناء   السلام اے تاجدار و فاتح ملک ولا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل. کاملاں را رہنما

السلام اے نغمہ خوان قل ھو اللہ احد • السلام اے صدربزم عشق اللہ الصمد
السلام اے ماہر تجرید و تفرید ابد   السلام اے محو لم یولد قتیل لم یلد

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مبسط فیض حقیقت السلام   السلام اے سرمہ چشم بصیرت السلام
السلام اے رہبر ملک طریقت السلام   السلام اے داب شریعت السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے مرجع وامیدگاہ شیخ و شباب   السلام اے بادشاہ اولیائے پنج آب
السلام اے سرگردہ صوفیاے عالی جناب   السلام اے گنج بخش بے شمار و بے حساب

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے چارۂ بے چارگاں بے نوا   السلام اے مرہم جاں بخش زخم جاں گزا
السلام اے ہر مرض را خاک تو دارالشفاء   السلام اے وجہ تسکین دل ہرمبتلاء

گنج بخش فیض عالم مظہرِ نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے اوج بخش درحفیض افتادگاں　　السلام اے حامئ درماندگان ناتواں

السلام ایہادی پیراں دلیل طالباں　　السلام اے قاطع بدعات وکفراں جہاں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

السلام اے فیض یاب درگہت بہرخوب وزشت　　السلام اے روئے زیبائت جواب صد بہشت

ہمزباں در مدحت ہمچوں معین الدین چشت　　نقشبندی قادری و سہروردی دربسفت

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جز سلامت نیست دیگر یک کہا لم السلام　　السلام اے حضرت مخدوم عالم السلام

کن برایں اعدائے دیں فیروز عالم السلام　　نفس و شیطانند ہر دم در زو الم السلام

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

## اردو

(ازمولوی فیروزالدین صاحب مترجم کشف المحجوب لاہور)

ہندی و سندھی و کشمیری و افغانی شہاء　　ہیں ترے در پر سلامی ہو رہے باصد ولا

کیوں نہ پھر نکلے ہراک کے منہ سے یہ سچی صدا　　جو کوئی آتا ہے لے جاتا ہے اپنا مدعا

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چشتیوں کو فخر تجھ سے قادری تجھ پر فدا نقشبندی تجھ پر نازاں سہروردی جبہ سا
طاہری ہو یا نظامی یا سلیمانی گدا ! صدق دل سے ہے ہر اک قائل ترے اوصاف کا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

کس قدر ہے روضہ انور تیرا معمور نور رحمت و برکت کا ہر دم جس پر ہوتا ہے ظہور
ہے صلوٰۃ و صوم پر ورد و وظائف کا وفور ہر گھڑی قرآن خوانی ذوق افطار و سحور
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آفتاب فیض ہے تو فقر کا مہر منیر ! صاحب تاج کرامت ملک معنی کا امیر !
طالبوں کا قبلہ جاں عارفوں کا زندہ پیر نامرادوں کی مراد اور بیکسوں کا دستگیر
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہیں تصانیف معلےٰ گنج گوہر لا کلام ! کشف محجوب اور کشف اسرار ہی جن سے دوام
علم خود نازاں رہے گا جس کی ہستی پر مدام راہ دار فقر جن سے ہو رہے ہیں خاص و عام
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

غزنی و ہجویر تھا گر مفتخر تجھ سے مدام کر دیا پنجاب کو بھی تو نے مشہور انام
زیور لاہور ہے درگاہ جنت احتشام تیرا خطبہ پڑھ رہا ہے ملک سارا صبح و شام
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

فخر ہو تجھ کو نہ کیوں اس عزت احضار پر جبکہ ہو نازاں ہر ایک سائل تیری سرکار پر
جان و دل قربان ہے شاہا تیرے دربار پر ہر سلامی صدق سے قائل ہے اس اقرار پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

ہوں تیرے در کا سلامی میں بھی اے شاہ شہاں میری حالت مو بمو ہے آپ پر ساری عیاں

کب تلک یہ دل رہیگا نامراد و نیم جان کیجیئے چارہ کہ تم ہو چارۂ بے چارگاں

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گنج بخشی آپ کی آفاق میں مشہور ہے دلدہی خستہ دلوں کی آپ کا دستور ہے

نزعہ اعداء میں یہ قلب حزیں محصور ہے یا علی امداد کیجیئے ! منتظر مہجور ہے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یا علی مخدوم ہجویری! نگاہ التفات کشت دل کے واسطے ہے ابر رحمت تیری ذات

شرم اس فیروز عاصی کی ہے شاہا تیرے ہات بند عصیان و غم دنیا سے دے دیجئے نجات

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جب تلک باقی الہیٰ! اثر نور و نار ہو گنج بخش دین و دنیا آپ کا دربار ہو

قبلہ حاجات عالم آپ کی سرکار ہو زائروں کو دمبدم اس شعر کا تکرار ہو

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

## از جناب مفتی غلام سرور صاحب لاہوری

یا جناب مصطفےٰ سلطان داتا گنج یا محمد بادشاہ دین و دنیا گنج بخش

میرے صاحب میرے مالک میرے آقا گنج بخش میرے حضرت میرے والی میرے مولا گنج بخش

مانگنے کے واسطے آیا ہے در پر آپ کے
یہ فقیر بے نوا عاجز گدا یا گنج بخش

خیر بخشو اپنے گنجینے سے یا خیر الورے
خالق اکبر نے ہے تجھ کو بنایا گنج بخش

آپ کے در کے ہیں سائل بادشاہان جہان
نام ہے مشہور دنیا میں تمہارا گنج بخش

گنج علم و گنج عرفاں گنج سیم و گنج زر
بخشو اس دریوزہ گر کو میرے داتا گنج بخش

کون آیا ہے سخی دنیا میں ثانی آپ کا
اور ہوا ہے کون اس رتبے کا پیدا گنج بخش

مانگنے آتا ہے جب کوئی گدا دربار پر
آپ دیتے ہیں اسے فی الفور سارا گنج بخش

ایک گر مانگے کوئی دس اس کو کرتے ہو عطا
کون ایسا دوسرا دنیا میں ہوگا گنج بخش

ہے یقین اب سرورؔ مفلس غنی ہو جائے گا
پا لیا ہے اس نے اب یثرب میں اپنا گنج بخش

## از طبع زاد جناب محی الدین صاحب

دو جہاں زیر نگین مہر نام گنج بخش
جن و انسان و ملک منقادو رام گنج بخش

سید السادات نور مصطفےٰ و مرتضےٰ
گردش چرخ بریں باشد بکام گنج بخش

بادشاہ اولیاء اللہ والا قدر عالی محل
سلم ہفت آسمان کمتر زبام گنج بخش

پیر کامل مرشد و ہادی مکمل راہنما
بوئے عرفان الہیٰ درمشام گنج بخش

بر مزار پاک او صد شعلہ ہائے نور حق
روشن از صبح درخشاں ہست شام گنج بخش

گر ہمے خواہی کہ بینی بر زمین باغ ارم
روضہ انور مقدس بین مقام گنج بخش

معتقد را تاج عزت مے نہد برفرق سر
گردن منکر زند براں حسام گنج بخش

ہر کہ آمد با ارادت صد سعادت یافت او
ہر کسے شد بہرہ یاب ازفیض عام گنج بخش

ہر کرا اندک عطا از وے میسر شد بس است
مست دارد تا قیامت جرعہ جام گنج بخش

روز و شب ورد زبانم ہست نام پاک تو
اسم اعظم یافتم من پاک نام گنج بخش

کرہ نفس است دائم در کجی و سرکشی
کس نہ گردند مطیعش جز لگام گنج بخش

دردلم جز مدمائے دیدن دیدار نیست گوش ہم خواہد شنیدن یک کلام گنج بخش
از خدا خواہم کہ باید دیدہ ام دیدار تو شکر حق افتاد مرغ دل بدام گنج بخش
گنج عرفان الہیٰ نیز گنج عافیت کن عطا یا رب بایں مسکین بنام گنج بخش
ہر زمائش میفرستم صد سلام و صد دعاء برامید آنکہ یابم یک سلام گنج بخش

از دل و جانم غلام شاہ میراں محی دین
نیز از فضل خدا ہستم غلام گنج بخش

## دیگر فارسی

گنج بخش از لطف خود ایں بیکساں را گنج بخش صحت کامل زہر بیماری و ہر رگنج بخش

## ایضاً

گر ہمے خواہی کہ بینی برزمیں باغ ررم روضہ انور مقدس مقام گنج بخش
ہر کہ آمد از ارادت صد سعادت یافت او ہر کسے شد بہرہ یاب از فیض عام گنج بخش

## ایضاً

چشمکے ہا بیں کہ حوراں را بگلزار بہشت مے کنند ادنے غلامان جناب گنج بخش
گر بصیرت ہست در بارش بچشم دل بریں قبلہ حاجات عالم ہست باب گنج بخش
ایں خزائن ہائے عرفان را کہ یابند عارفاں ہست اکثر از عطا ہائے جناب گنج بخش

بالضرورت مقصد دنیا و دیں حاصل شود
گر کنی یک چلہ اندر جناب گنج بخش

## ترجیح بند

یہ عتبہ عالیہ بندگان سرکار ابد قرار نائب مناب سید المرسلین عارف معارف

صدر عرش نشیں زبدۃ الثقلین عمدۃ الدارین ہادی گمراہان ضلالت خضر بادیہ طریقت سرمایہ جناب اجمیری فیض رساں عالم و عالمیان حضرت داتا گنج بخش صاحب علی ہجویری ادام اللہ فیوضہ۔

(از تصنیف سید فیروز شاہ صاحب شوق امرتسری تلمیذ حضرت استاذی المعظم نواب فصیح الدین مرزا داغ دہلوی)

رونق لاہور بستی آفتاب پر ضیاء  عاشق شیدا علی مشتاق محبوب خدا
اے مرے حامی مشکل اے میرے حاجت روا  آستانے پر ترے جھکتے ہیں سب شاہ و گدا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ محتاجوں کے والی دردمندوں کی ذواء  بیکسوں کے آپ وارث اے ولی شان خدا
مشکلیں حل ہوتی ہیں دربار عالی سے سدا  جاری دریا ہے سخاوت کا تری شاہنشہا
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

محسن عالم جو تم حاجت روا ہر کام کے  واقف راز نہاں آغاز اور انجام کے
سائل آتے ہیں یہاں بغداد و روم و شام کے  صدقے اس دربار کے قربان میں اس نام کے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

آپ کو سید حسن اور شاہ نظام الدین بھی  خواجہ قطب الدین بھی خواجہ معین الدین بھی
یہ بھی تو چاروں کے چاروں اور یہاں دو تین بھی  کہہ رہے ہیں صاحب ارشاد اور تلقین بھی
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

یہ مجھے معلوم حضرت آپ ہیں ہجویر کے خاک راہ پر سینکڑوں نقش قدم ہر شیر کے
اے ولی لائی یہاں تیری ہدایت گھیر کے صاحب لطف و کرم ہو خواجہ اجمیر کے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

جھومتے عابد ہیں سب اسم شہہ لولاک پر وجد میں صوفی ہیں ہے دھوم عرس کی افلاک پر
لوٹتے پھرتے ہیں مجذوب آج فرش خاک پر کہہ رہے سالک ہیں یہ مل کر مزار پاک پر

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

دست بستہ شوق کی اب التجا ہے آپ سے دور بیماری ہو اتنا مدعا ہے آپ سے
تنگ آ کر عرض کرنا پڑا ہے یہ آپ سے آپ اولاد علی ہیں کہہ دیا ہے آپ سے

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

## قطعہ تاریخ

(از جناب میر کرامت اللہ صاحب میرؔ امرتسری)

فوق حالات خواجہ ہجویری زد رقم بالعشی والابکار
از پے وسال انطباعش میرؔ گفت ہاتف مرقع اذکار